قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جون 1968

بتقریب سعید عید میلادالنبیؐ

"خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دئے جانے مقصود تھے وہ اپنی مکمل ترین شکل میں دے دئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے نہ کسی دوسری مشعل کی ضرورت اور نہ کسی اور ھادی طریقت کی احتیاج رہی۔ اب شرفِ انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ھیں اور ہر رہروِ منزل شوق سے بآواز پکار کر کہہ رہے ھیں کہ:

بمقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰؐ رو"

(معراج انسانیت از پرویز)

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ - لاہور

پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی فکر کا ماحصل

انقلاب انگیز کتابیں

سلیم کے نام خطوط

جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ایک عجیب کشمکش میں گرفتار ہے۔ اسلام کے متعلق اس کے دل میں سینکڑوں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں لیکن اسے ان کا کہیں سے اطمینان بخش جواب نہیں ملتا جب وہ اس طرح مذہب سے متنفر ہو جاتا ہے تو ہم اسے کوسنے لگ جاتے ہیں۔ اسے کوسئے نہیں۔ یہ کتاب دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح صحیح اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ خطوط کا انداز بڑا دلکش اور بہت دلکش۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ کاغذ۔ مجلد پہلی جلد آٹھ روپے۔ دوسری و تیسری جلد
(زیر طبع چوتھی جلد)

انسان نے کیا سوچا؟

کیا تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت کر سکتی ہے؟ اس اہم اور پیچیدہ سوال کا جواب یونان کے فلاسفروں سے لے کر ہمارے زمانے کے مفکرین اور سائنسدانوں نے کیا دیا ہے؟ یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔ بڑی تقطیع خوبصورت ٹائپ
عمدہ سفید کاغذ مجلد (بارہ روپے)

لغات القرآن

یہ قرآنی الفاظ کی محض ڈکشنری نہیں۔ بلکہ کلمات قرآنی کا واضح مفہوم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان الفاظ سے قرآن کس قسم کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کیا ہے۔ آج دنیا کیا ہے۔ قرآن نے انسان کو کیا دیا ہے۔ یہ اپنی قسم کی واحد اور پہلی کتاب ہے۔ چار جلدوں کی یہ کتاب قرآنی حقائق اور علوم کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ خوبصورت جلد۔ پہلی تین جلدوں کی قیمت پندرہ روپے فی جلد چوتھی جلد
بارہ روپے۔ مکمل سیٹ پچاس روپے میں

جہان فردا کتابیں

بصیرت افروز کتابیں

سلسبیل

پرویز صاحب کے خطبات اور مقالات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں عجیب فکری انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ سلسبیل انہی خطبات و مقالات کا دلکش مجموعہ ہے جس میں زندگی کے مختلف گوشے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ایسی کتابیں بہت کم شائع ہوتی ہیں۔ کتابت طباعت عمدہ
کاغذ عمدہ قیمت مجلد آٹھ روپے

اسلام کیا ہے

یہ مسائل کی کتاب نہیں۔ یہ آپ کو بتائے گی کہ اسلام کے بنیادی تصورات کیا ہیں۔ وہ کس قسم کا معاشرتی، معاشی، سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی رو سے انسانی پیدائش کا مقصد کیا ہے اور اسکی غرض و غایت کیا۔ اور معاشرہ میں عورت کا صحیح مقام کیا ہے۔ (قسم اعلیٰ۔ آٹھ روپے)
سستا ایڈیشن۔ چار روپے

معلومات افزا کتابیں

ناظم ادارہ طلوع اسلام — ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ٹیلیفون ۸۰۸۰۰	قیمت فی پرچہ	بدلِ اشتراک
خط و کتابت	پاکستان ۸۰ ایک روپیہ	پاکستان: سالانہ ـــــ دس روپے
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام	ہندوستان	ہندوستان: سالانہ ـــــ پندرہ روپے
بی ۲۵/ گلبرگ ۲ لاہور	ڈیڑھ روپیہ	غیر ممالک: سالانہ ـــــ ایک پونڈ

جلد (۲۱)	جون ۱۹۶۸ء	نمبر (۶)

فہرست

۱. لمعات ـــــ ۳

۲. قرآنی نظام کیسے قائم ہو سکے گا؟ ـــــ ۹

۳. معراجِ انسانیت ـــــ ۱۴

۴. رنگ و نسب کا عالمی کردار ـــــ (محترم خورشید عالم صاحب) ـــــ ۱۸

۵. منکرینِ حدیث کون ہیں! ـــــ (محترم ابوشہاب رفیع اللہ صاحب) ـــــ ۲۹

۶. حقائق و عبر ـــــ (تاریخ کیسے بنتی ہے؟) ـــــ (جرم کا حربہ جارہا ہے) ـــــ (لونڈیاں) ـــــ (انسانی فطرت) ـــــ (سیکولر ریاست میں مسلمانوں کی حالت) ـــــ ۴۱

۷. باب المراسلات ـــــ (کیا یہ شہادت تھی) ـــــ (اسلام کا معاشی نظام) ـــــ (ہر چہ دانا کند...) ـــــ (اقتباسات) ـــــ ۴۹

۸. مطالب الفرقان ـــــ ۵۷

۹. نقد و نظر ـــــ (رسول میدانِ جنگ میں) ـــــ ۷۷

ایڈیٹر محمد طفیل، ناشر سراج الحق، مقامِ اشاعت ۲۵ بی گلبرگ لاہور، پرنٹر شیخ محمد اشرف ـ مطبوعہ اشرف پریس ایبک روڈ ـ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی

یوں تو طلوعِ اسلام کی ہر اشاعت، کسی نہ کسی رنگ میں قرآن اور صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) کے تذکارِ جلیلہ ہی کی مظہر ہوتی ہے لیکن ربیع الاول کا مہینہ نوعِ انسان کے لئے جس خیر و برکت اور یمن و سعادت کا ضامن بنا اس کے احترام کے پیشِ نظر، ہم اس اشاعت کی ابتداء بارگاہِ رسالتمآب میں اپنی نذرِ عقیدت سے کرتے ہیں۔ اس پیشکش کے لئے جب ہم نے قلم اٹھایا تو ذہن نے فوراً پکارا کہ جو کچھ پروانۂ شمعِ رسالت، پرویز صاحب، اپنی مایۂ ناز تصنیف، معراجِ انسانیت، میں لکھ چکے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا لکھا جا سکے گا ــ اور یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ اس کتاب کا جدید ایڈیشن اسی مقدس مہینے میں منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم معراجِ انسانیت ہی سے چند صفحات پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ (یوں سمجھئے کہ) کتابِ سیرت کا شروع ہی کا باب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ قبل از نبوت میں، تلاشِ حقیقت کے لئے، قلبِ نبوی کی تڑپ و خلش کا کیا عالم تھا۔ اس باب کا عنوان ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ اُمیدوارے

قلبِ وادیٔ فاران یعنی ام القریٰ مکہ، اپنی تمام نگاہ فریب جاذبیتوں کے ساتھ، ہر عاکف و باد کے لئے

مرکزِ توجہ بنا ہوا ہے۔ چونکہ ریگِ حجاز کے ہر ذرّہ کی عقیدت حریمِ کعبہ کے ساتھ وابستہ ہے، اس لئے طفلک و برنا و پیرِ نزد و دور سے کارواں در کارواں اپنی پیشانیوں میں تڑپنے والے سجدوں کے نذرانے لئے، رواں دواں اور کشاں کشاں اس مرجعِ انام کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ جبینِ شوق سجدوں سے معمور ہے لیکن کچھ معلوم نہیں کہ مسجود کیا ہے؟ قلبِ نیاز جذبہ ہائے عقیدت سے لبریز ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ معبود کون ہے؟ زندگی کی تگ و تاز ہر نوع ہنگامہ خیز ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ اس تگ و تاز سے مقصود کیا ہے؟ کاروانِ حیات تیز گام ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ اس کی منزل کون سی ہے؟ لیکن اس نہ جاننے کے باوجود ایک ہنگامہ ہے کہ ہر وقت بپا ہے جس میں ہر شخص اپنے آپ کو جذب کئے ہوتے ہے۔ اس کیف و مستی کے عالم میں کوئی تالیاں پیٹتا ہے، کوئی سیٹیاں بجاتا ہے، کوئی کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر، سفر ختم ہونے کے باوجود ذوقِ سفر کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کوئی بتوں کے آستانوں پر جانور ذبح کر کے اس کا گرم گرم لہو پی رہا ہے۔ کوئی زمزم کے کنارے بیٹھا جام و سبو کے امتیازات مٹا رہا ہے۔ کاہنوں کے گرد عورتوں کا ہجوم ہے جو اپنے صبر گریز یا ادر رنج گراں نشیں کے جگر سوز افسانوں کا مستقبل معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ اُدھر عکاظ کے بازار میں شعرائے جادو بیان اپنی سحر آفرینیوں سے ہر سننے والے کے دل کو مٹھی میں لئے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی کے خاندانی مفاخر کے تذکرہ سے اس کے طرّۂ امتیاز میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں اور گاہ کسی کے عزیز کے قتل کی یاد تازہ کر کے اس کی رگوں میں آتشِ انتقام کے شعلے اس طرح بھڑکاتے ہیں کہ بزمِ شعر خوانی آن کی آن میں رزمگاہ بن جاتی ہے۔ لیکن محفلِ عیش و طرب ہے یا میدانِ جنگ و جدل، ہر شخص پورے جذب و انہماک سے اس میں حصہ لیتا ہے اور اس ہمہمہ اور طنطنہ میں، دنیا و مافیہا سے بے خبر یوں مستغرق ہو جاتا ہے کہ کوئی کشش اسے اس ہنگامے سے باہر نہیں لے جا سکتی۔ چھوٹا بڑا، امیر غریب، مرد عورت، سب ان ہنگاموں میں اس طرح شریک ہوتے ہیں گویا یہ چیزیں انکی زندگی کا جزو بن چکی ہیں۔

لیکن مکہ کی ان پر ہجوم گلیوں میں ایک ایسا شخص بھی دکھائی دیتا ہے جو ان میں سے ہوتے ہوتے بھی ان میں کا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی طرزِ معاشرت، وضع قطع، تراش خراش سب ان ہی جیسی ہے۔ وہ انہی بازاروں میں پھرتا ہے انہی لوگوں سے کاروبار کرتا ہے۔ ان کی شادی اور غم میں شریک ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو انہی جیسا انسان سمجھتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زندگی میں کوئی خلاء محسوس کرتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ وہ خلا کیا ہے اور کس طرح پُر ہو سکتا ہے۔ وہ مشاغل و مشارب جو اس کی قوم کا جزوِ زندگی بن چکے ہیں، اسکے لئے اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنی جبینِ نیاز میں ذوقِ عبودیت کے سجود رقصاں لے کر حریمِ کعبہ تک جاتا ہے لیکن وہ ان تابندہ گوہروں کو اسی طرح واپس لے آتا ہے کہ اُسے وہاں انسانوں کی بنائی ہوئی چوکھٹیں اس متاعِ گراں بہا کے شایانِ شان دکھائی نہیں دیتیں۔ وہ جب لوگوں کی گردنوں کو ان کے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے

سامنے جھکا ہوا دیکھتا ہے تو محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ؟ وہ عکاظ کے بازار میں جب سردارانِ قریش کو اپنی عالی نسبی پر فخر کرتے دیکھتا ہے تو ہر چند وہ خود قریش کے ممتاز ترین گھرانے کا فرد ہے لیکن اس کا دل گواہی نہیں دیتا کہ جس چیز میں انسان کے جوہرِ ذاتی کا کوئی دخل نہ ہو وہ باعثِ فخر و تکبر ہو سکتی ہے۔ وہ بزمِ مے پرستی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ اس سے اس کا قلبِ سلیم ابا کرتا ہے۔ وہ قمار خانوں کی طرف قدم نہیں اٹھاتا کہ وہاں اسے مہذب انسانوں کے بھیس میں رہزن نظر آتے ہیں۔ وہ جب ان محافل و مجالس میں اپنے لئے کوئی سامانِ تسکین نہیں پاتا تو عیسائی رہبان اور یہودی احبار کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اُس نے سن رکھا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق کا علم رکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اس لئے ان علماء و مشائخ سے پوچھتا ہے کہ ان کے پاس کونسی روشنی ہے جسے وہ آسمانی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن اسے ان مزعومہ آسمانی شمعوں پر انسانی تصورات کے ایسے ایسے رنگین فانوس نظر آتے ہیں جنہوں نے شمع کی اصلی روشنی کو بالکل ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ یہاں سے بھی ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ آتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انہی بستیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کی طرح ان معبودانِ باطل سے متنفر ہیں وہ ان کی طرف رُخ کرتا ہے کہ شاید وہیں وہ سکون مل جائے جس کی اُسے تلاش ہے لیکن اسے ان کا ذوق بھی تشنہ اور تڑپ خام نظر آتی ہے۔ وہ وہاں سے بھی مایوس واپس آ جاتا ہے۔ غرضیکہ وہ انسانوں کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اسے ایسا کوئی رفیق نہیں ملتا جس سے اپنے دل کی تپش و خلش اور سوز و گداز کا حال کہہ سکے۔ وہ اس تنہائی سے اُکتا جاتا ہے تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر پکار اٹھتا ہے کہ ؎

دریں میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر

کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر

وہ انسانوں کی بستیوں میں اپنے دل کی پکار کا کوئی جواب نہیں پاتا تو باہر فطرت کی کھلی فضاؤں میں چلا جاتا ہے وہاں کبھی صحراؤں کی ناپیدا کنار وسعتوں پر غور کرتا ہے اور کبھی آسمانوں کی حدود فراموش پہنائیوں پر۔ گاہ اسے ستاروں کی تابندگی دعوتِ غور و فکر دیتی ہے اور گاہ ماہِ عالمتاب کی درخشندگی اس کے لئے سامانِ تدبر پیدا کرتی ہے، وہ مظاہرِ فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں پر غور کرتا، اور بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلسلۂ کائنات کس طرح وجود میں آ گیا ؟ کون اسے بایں حسن و خوبی چلا رہا ہے ؟ اس کا بالآخر مقصد کیا ہے ؟ یہ سوالات رہ رہ کر اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اسے ان کا جواب کہیں سے نہیں ملتا جب جواب نہیں ملتا تو اس سے اس کے دل کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے۔ اور جب اضطراب بڑھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی تشنگی و شوق کی شدت تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے اپنے آپ پر ضبط آتا ہے کہ وہ اس کاوش و اضطراب کو اپنے معمولاتِ زندگی پر قطعاً اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے کاروبار معاملات، بال بچوں کی نگہداشت، رفقاء و احباب سے

میل ملاقات، معاشرتی زندگی کے مقتضیات میں کوئی فرق نہیں آنے دیتا اور ایسی زندگی بسر کئے جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس اپنے میں اور اس میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے، بجز اس کے کہ وہ اس کے کریکٹر کی بلندی کے مداح ہیں اور اس کی صداقت و دیانت کے معترف۔ چھوٹا بڑا سب اس کی عزت کرتے ہیں اور قبیلہ اور خاندان کو اس کی شرافت اور نجابت پر ناز ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ان سے کچھ مختلف محسوس کرتا ہے۔ اس لئے کہ جن گوشوں کو انہوں نے اپنے لئے وجہ اطمینان اور موجبِ تسکین قرار دے رکھا ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی اپنے دل کے اضطراب کا مداوا نہیں پاتا۔ اور وہ اپنے آپ کو ہر وقت کسی ایسی چیز کی تلاش میں مضطرب و بیقرار پاتا ہے جس کا اسے خود بھی علم نہیں کہ وہ کیا ہے؟

قرآن کریم نے حضورؐ کی تلاشِ حقیقت میں سرگردانی کی اس کیفیت کو دو لفظوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جب فرمایا ہے کہ

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (۹۳)

ہم نے تجھے تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھا دیا۔

کارلائل نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"شروع ہی سے چلتے پھرتے آپ کے دل میں ہزاروں سوالات پیدا ہوتے تھے۔

میں کیا ہوں؟

کائنات کا لامتناہی سلسلہ کیا ہے؟

زندگی کیا ہے؟

موت کیا ہے؟

مجھے کس چیز پر ایمان رکھنا چاہیئے؟

مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

حرا اور سینا کی پہاڑیاں۔ ریت کے ٹیلوں کا سکوت۔ ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے جیتی جاگتی چیزیں اور اس کے درخشندہ ستارے بھی کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں ملتا تھا۔ ان سوالات کا جواب انسان کی اپنی روح اور خدا کی اس وحی سے ملنا تھا جو اس روح کو اپنا مسکن بنا لے۔

(HEROES AND HERO-WORSHIP P. 49)

ہاں! ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا تھا۔ ان کا جواب صرف وحی کی زبان سے مل سکتا تھا۔ حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے جب تک حقیقت خود اپنے آپ کو کسی پر منکشف نہ کر دے، مسائلِ حیات نہیں سمجھے جا سکتے جب تک "حیات" خود ہی "شارحِ اسرارِ حیات" نہ ہو جائے۔ حقیقت کے مشاہدہ کے لئے انسان کی

آنکھ وحی کی روشنی کی محتاج ہے۔ اور نبی قبل از نبوت وحی سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت قبل از رسالت حضورؐ کی تھی۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ (۴۲/۵۲)

اور اے محمدؐ! اسی طرح ہم نے (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) تیری طرف اپنے حکم سے ایک کتاب بطور وحی نازل کی (جس نے تجھ پر حقیقت کو منکشف کر دیا۔ ورنہ) اس سے پہلے تجھے قطعاً معلوم نہ تھا کہ کتاب (الٰہی) کیا ہوتی ہے اور ایمان کس چیز کا نام ہے۔ لیکن (وحی کے ذریعے) ہم نے اس کتاب کو تیرے لئے ایک (عظیم القدر) روشنی بنا دیا جس کے ذریعے ہم (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق) اپنے بندوں میں سے کسی ایک (یعنی نبی) کو حقیقت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور (اے پیغمبر! یہ ہماری اس عطا فرمودہ روشنی ہی کا صدقہ ہے کہ) تو (گم کردہ راہ لوگوں کو) سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔

نہ حضورؐ جانتے تھے کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور وحی کیا ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس کی توقع رکھتے تھے کہ آپ اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کئے جائیں گے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (۲۸/۸۶)

اور اے پیغمبر! تجھے کسی طرح یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ (ہماری طرف سے) تجھ پر کوئی کتاب نازل کی جائیگی۔ یہ تو محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس نے تجھے اس عظیم منصب کے لئے منتخب فرما لیا) سو جو لوگ اس صداقت سے انکار کریں اور اس سے سرکشی برتیں تیرے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی طرح ان کا پشت پناہ بن جائے۔

اس کتاب کے ذریعے حضورؐ کو ان حقائق کا علم دیا جن کے متعلق اس سے پہلے آپ کچھ نہیں جانتے تھے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ ... (۴/۱۱۳)

اور (اے پیغمبر) خدا نے تمہیں وہ باتیں سکھلا دیں جو تجھے پہلے معلوم نہ تھیں۔

پہلی وحی

حضورؐ کی عمر کا چالیسواں سال تھا۔ رمضان کا مہینہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (۲/۱۸۵)۔ اور رات کا وقت؎ رات اسلئے کہ ساری دنیا جہالت کی

؎ قرآن کریم نے اس کے لئے لیل کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی وحی کا وقت بھی رات کا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا جہالت کی جن تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی اس کی وجہ سے اس زمانے کو تشبیہاً لیل (رات) کہا ہو۔

تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی اور طلوعِ سحر کی منتظر۔ یہ رات تاریخِ عالم میں عدیم النظیر اور فقید المثال رات تھی۔ یہ حدِ فاصل تھی دنیائے قدیم اور جہانِ نو میں۔ اس رات ضمیرِ کائنات نے ایک نئی کروٹ لی جس سے زندگی جو اپنے مقام سے بے خبر چلی آ رہی تھی، خودنگر و خودشناس ہو گئی۔ تمام نظامہائے کہن جو غیر فطری بنیادوں پر استوار تھے، باطل قرار پا گئے اور دنیا کو ایک نیا آئین عطا ہوا جس میں تکمیلِ شرفِ انسانیت کی تمام راہیں واضح طور پر سامنے آ گئیں۔ انسان کو حق و باطل کی تمیز کے صحیح پیمانے عطا ہوئے۔ اس لئے اس رات کو لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷/۱) کہہ کر پکارا گیا۔ یعنی جدید پیمانوں کی رات ـــ اسی کو دوسری جگہ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ کہا گیا ہے جس میں حق و باطل نکھر کر الگ الگ ہو گئے (۴۴/۳)۔ دنیا نے اس رات کی عظمت کو نہیں پہچانا اسی لئے وہ ابھی تک تاریکیوں کے جہنم میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہزار ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود زندگی کے صحیح راستہ پر گامزن نہیں ہو سکی۔ جس دن یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آ گئی کہ کائنات کی شبِ دیجور کی تاریکیاں اس مہرِ عالمتاب کی ضوفشانیوں سے دور ہو سکتی ہیں جو اس لیلۃ القدر کی صبح کو نمودار ہوا تھا۔ منزلِ انسانیت کی سیدھی راہ (صراطِ مستقیم) اس کے سامنے آ جائے گی۔ راستہ اب بھی موجود ہے اور وہ مہرِ عالمتاب اپنی پوری تابندگی سے نور افشاں بھی۔ صرف اتنی کمی ہے کہ انسان نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں جس سے وہ اس روشنی سے محروم ہے۔ جب دن اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں، سیدھا راستہ اس کے سامنے آ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے واقعہ عظیمہ کو نوعِ انسانی کے لئے جشنِ مسرت قرار دیا ہے کہ اس سے دنیا کو اس کی کھوئی ہوئی بینائی واپس ملی تھی۔ اور کسی اندھے کی زندگی میں اس واقعہ سے زیادہ قابلِ یادگار اور کون سا واقعہ ہو گا جس میں اس کی بصیرتِ رفتہ کی بازیابی ہوئی ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۱۰/۵۷-۵۸)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسی چیز آ گئی ہے جو موعظت ہے، دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں ـــ (اے پیغمبر!) تم کہو، یہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی رحمت بس چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں ـــ اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں۔

یہی وہ لیلۃ القدر (جس میں حضورؐ کو منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

نبوت کے متعلق دوسرے مقام پر تحریر ہے:۔

مقامِ نبوت

نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصور سے روح میں بالیدگی، نگاہوں میں بصیرت، ذہن میں جِلا، قلب میں روشنی، خون میں حرارت، بازوؤں میں قوت، ماحول میں درخشندگی، فضاؤں میں تابندگی اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبی کا پیغام انقلاب آفریں، دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروقِ مفلوج میں پھر سے خونِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ملت کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش ربا تعلیم اور محیر العقول عمل سے باطل کے تمام نظامہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئینِ کائنات کو ضابطۂ خداوندی پر متشکل کر دیتا ہے۔ اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ آرزوئیں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ روح کی مسرتوں کے چشمے اُبلتے ہیں۔ قلب و جگر کی نورانیت کی سوتیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ امیدوں کی کلیاں چٹکتی ہیں، زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحنِ چمن، دامانِ صد باغبان وکفِ گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانینِ خداوندی کا نفاذ اس کا منتہا ہوتا ہے۔ جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تختِ اجلال بچھتا ہے تو باطل کی ہر طاغوتی طاقت پہاڑوں کے غاروں میں سر چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصرِ فلک بوس کے کنگرے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قومیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے، ان انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں — اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔

یہ ہے کائنات کا وہ عظیم انقلاب جس کی یاد ہر سال، ربیع الاول کے مبارک مہینے میں ہوتی ہے۔

قرآنی نظام کیسے قائم ہو سکیگا؟

طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں — قرآن کی رُو سے ذاتی ملکیت' کے موضوع پر جو بصیرت افروز اور حقائق پرور مقالہ شائع ہوا ہے' اس کے متعلق ہمیں بہت سے استفسارات موصول ہوئے ہیں۔ ان میں بہ حیثیتِ مجموعی جو سوال سامنے لایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کا قرآنی نظامِ معیشت' جس میں ذاتی ملکیت باقی نہیں رہتی، بحالاتِ موجودہ عمل میں کیسے لایا جا سکیگا؟ سوال بڑا اہم ہے۔ اس لئے' اسی نسبت سے گہری توجہ کا مستحق۔

سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کا سیاسی نظام ہو یا معاشی، معاشرتی ہو یا عدالتی۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسلام' انسانی زندگی کو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت قرار دیتا ہے۔ اور چونکہ اس کا (یعنی اسلام کا) تعلق انسانی زندگی سے ہے' اس لئے اس کا نظام بھی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ جس کے مختلف شعبوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پانی، ہائیڈروجن اور آکسیجن کے مرکب ہی کا نام ہوتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہائیڈروجن کو الگ سلنڈر میں بھر لیں اور اسے ایک حصہ پانی قرار دے لیں اور آکسیجن کو دوسرے سلنڈر میں بھر کر اسے دو حصے پانی کہہ دیں۔ جب تک آپ ان دونوں کو ان کی خاص نسبت اور خاص قاعدہ کے مطابق یکجا نہیں کریں گے اسے پانی نہیں کہا جا سکے گا۔ یہی کیفیت اسلامی نظام کی ہے۔ اسکے الگ الگ حصے کر کے' انہیں اسلامی نظام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ انسان، نہ تو اس کے سر کا نام ہے، نہ دل کا، نہ جگر کا نہ پھیپھڑوں کا۔ حتےٰ کہ نہ خون کا نہ سانس کا۔ انسان' بتمامہٖ انسان ہے' اور یہ تمام اجزاء انسانی زندگی کے اسباب و ذرائع ہیں۔ یہی کیفیت اسلامی نظامِ حیات کی ہے جس کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ یہ ہماری حقیقت فراموشی اور کوتاہ نگہی ہے کہ نظامِ زندگی خواہ کسی قسم کا ہو' ہم نماز پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اسلام کے ایک حصہ پر عمل کر لیا اور زکوٰۃ دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اُس کے دوسرے حصے پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ اسلامی نظامِ حیات کے ارکان ہیں اور اس نظام کی عدم موجودگی میں ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے مردہ کے جسم کے اعضاء و جوارح

یہ جو ہمارے ہاں آئے دن مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ مختلف جرائم کی شرعی سزائیں دینی چاہئیں تاکہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو جائے، تو یہ بھی اسلامی نظام کی حقیقت و ماہیت سے بے خبری کی دلیل ہے — اور اب تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اسلامی نظام سمٹ سمٹا کر، صدارتی نظام جمہوریت کی جگہ پارلیمانی نظام، اور بالواسطہ انتخاب کی جگہ بلاواسطہ انتخاب کا نام رہ گیا ہے۔ اور اسی "جہادِ عظیم" کو اقامتِ دین قرار دیا جا رہا ہے۔

لہٰذا، قرآن کا معاشی نظام کوئی ایسا خود مکتفی منصر نہیں کہ اسے رائج کرنے سے ہم یہ سمجھ لیں کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو گیا ہے، یا اسے اسلام کے مجموعی نظام سے الگ کر کے نافذ کیا جا سکے۔

اور یہ غلط فہمی ہمارے قدامت پسند، مذہبی طبقہ تک ہی محدود نہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو کمیونسٹ کہتے ہیں، ان کے ذہن میں بھی یہی ہے کہ کمیونزم ایک معاشی نظام ہے اور بس۔ اگر وسائل پیداوار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر، اجتماعی ملکیت میں دے دیا جائے تو اسے کمیونزم کہا جائے گا۔ یہ بھی یکسر غلط ہے اور کمیونزم کی اصل و حقیقت سے بے خبری کی دلیل۔ کمیونزم ایک فلسفۂ زندگی — ایک منفرد آئیڈیالوجی — ہے۔ اور اس آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر ایک معاشی نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں نہیں رہتے۔ اگر اس معاشی نظام کو اُس آئیڈیالوجی سے الگ کر دیا جائے، تو اُسے کمیونزم نہیں کہا جائے گا۔

ضمناً اس سے یہ بھی واضح ہے کہ محض اس قدرِ مشترک کی بنا پر کہ اسلام کے معاشی نظام میں بھی وسائل پیداوار پر ذاتی ملکیت نہیں رہتی اور یہی صورت کمیونزم میں ہوتی ہے، اسلام اور کمیونزم ایک نہیں ہو جاتے۔ اسلام کا فلسفۂ حیات اور کمیونزم کا فلسفۂ حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ہمیں "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح استعمال نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ جن کی نگاہیں سوشلزم کی اصل و حقیقت پر ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک فلسفۂ زندگی کا نام ہے — صرف ایک معاشی نظام کا نام نہیں — اور وہ فلسفۂ زندگی، اسلامی فلسفۂ حیات کی ضد ہے۔ ہمارے ہاں جتنی تحریکیں اشتراکیت (سوشلزم*) کے نام سے چل رہی ہیں — اور ان کے چلانے والے بہرحال اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں — وہ یا تو اشتراکیت کی اصل و حقیقت سے بے خبر ہیں (اور اُسے محض ایک معاشی نظام ہی خیال کرتے ہیں) اور اگر وہ اس کی حقیقت سے باخبر ہیں، تو پھر وہ اپنے آپ کو مسلمان

---

* ہم نے یہاں کمیونزم اور سوشلزم کو ہم معنی قرار دے دیا ہے، محض اس لئے کہ ہمارے ہاں ان دونوں میں فرق نہیں کیا جاتا۔ ورنہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم کے ابتدائی نظام کی ایک شکل ہے۔ لیکن فلسفۂ زندگی دونوں کا ایک ہی ہے۔

کہلاتے ہوئے (معاف فرمائیے) منافقت سے کام لیتے ہیں۔ کمیونزم کے فلسفۂ حیات کو صحیح ماننے والا کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

بہرحال، ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآن کا معاشی نظام کوئی ایسا خود مکتفی شعبہ نہیں جسے اسلام کے پورے نظام سے الگ کر کے نافذ کیا جا سکے۔ جب کسی معاشرہ میں قرآنی نظامِ زندگی نافذ ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ وہ معاشی نظام ہوگا جس میں وسائلِ پیداوار پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوگی۔

لہٰذا، اصل سوال یہ ہے کہ جن حالات میں سے ہم گزر رہے ہیں (یا ہمارے معاشرہ کی جو موجودہ حالت ہے)، اس میں قرآنی نظامِ زندگی کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے؟

جب نبی اکرمؐ نے دنیا کے سامنے اسلامی نظام کو پیش کیا، تو اُس وقت دنیا میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ اُس وقت صورت یہ تھی کہ اس نظام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا۔ جو شخص دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد اسے اپنے لئے قابلِ قبول سمجھتا، وہ اسے اختیار کر لیتا۔ ایسا کرتے وقت وہ اچھی طرح جانتا کہ اس میں ذاتی ملکیت باقی نہیں رہے گی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان حضرات پر مشتمل ایک سوسائٹی وجود میں آگئی جو قرآنی نظامِ زندگی کو بطیب خاطر اپنے لئے نظامِ حیات قرار دے چکے تھے۔ لہٰذا، ان کی صورت میں کرنے کا کام فقط اتنا تھا کہ باہمی مشاورت سے یہ سوچ اور طے کر لیا جائے کہ معاشرہ کے اُس وقت کے حالات کے مطابق، اس نظام کو کس طرح عملاً وجود میں لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے انقلابی پروگرام کو بتدریج ہی انتہا تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس کیلئے یہی طریق کار اختیار کیا گیا اور اس کیلئے خود قرآن میں رہنمائی موجود تھی۔ یہ جو ہم قرآن کریم میں صدقہ خیرات، ترضِ حسنہ، وراثت وغیرہ سے متعلق احکام و ہدایات دیکھتے ہیں، وہ اسی عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں اس نظام کو تدریجاً اس کی آخری منزل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد، نہ اس معاشرہ میں کوئی محتاج و محروم رہ سکتا ہے جس کے لئے صدقہ و خیرات کی ضرورت پیش آئے، نہ ہی کوئی صاحبِ جائیداد ہو سکتا ہے جس کا اس قسم کا ترکہ اس کے پسماندگان میں تقسیم ہو۔ اس انقلاب کے داعی (رسول اللہؐ) کی اپنی زندگی شروع ہی سے اس انتہائی منزل کی آئینہ دار تھی ـــ اور اُسے ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، کیونکہ اُسے تو ہمیشہ تک کے لئے دوسروں کے لئے اسوۂ حسنہ (ماڈل) بننا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ حضورؐ نے دولت جمع کی، نہ جائیدادیں کھڑی کیں۔ نہ زندگی میں کچھ پس انداز کیا، نہ وفات کے بعد کچھ ترکہ میں چھوڑا۔

ضمناً ـــ نظامِ سرمایہ داری کے حامی حضرات (بڑی جراٴت سے) کہہ دیتے ہیں کہ فلاں صحابیؓ کے پاس اس قدر دولت تھی اور فلاں کے پاس اسقدر خزانے ـــ ان حضرات سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہیئے۔ اور وہ

یہ کہ آپ ایک نقشہ رسول اللہ کی زندگی کا پیش کرتے ہیں اور اس کے بالکل برعکس، دوسرا نقشہ ان صحابہؓ کا۔ اب آپ یہ فرمائیے کہ ان دونوں میں سے کون سا نقشہ اسلام کی صحیح تعبیر کہلا سکتا ہے؟ رسول اللہ کی زندگی کا نقشہ یا ان حضراتؓ کی زندگی کا (وہ نقشہ) جسے آپ پیش کرتے ہیں۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ حضرات ان دونوں نقشوں کو عین مطابق اسلام قرار دیں گے! اور (صرف) ان دو نقشوں پر ہی کیا موقوف ہے، ان کے پیش کردہ تصور کی رو سے تو ہر قسم کے متضاد اور باہمدگر متخالف و متبائن نظریات و تصورات (بلکہ ان کی عملی تشکیلیں بھی) سب اسلام ہیں! ان کے تصورِ اسلام کی رو سے حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک (جو جمع کردہ دولت کو جہنم کی آگ قرار دیتے تھے) بھی عین مطابق اسلام تھا، اور حضرت عثمانؓ کا مسلک بھی (جن کے پاس بقول ان کے، دولت کے انبار در انبار تھے) عین اسلامی۔ ان کے نزدیک، مسلمان سلاطین کے حق میں خلد اللہ ملکہ، اور ایدہ اللہ بنصرہٖ کی مقدس دعائیں کرنے والے علمائے کرام بھی "رحمہم اللہ تعالیٰ" ہیں اور ملوکیت کو ابلیسی نظام قرار دینے والے بھی "رحمہم اللہ تعالیٰ"۔ ان کے اسلام کی رو سے، موجوداتِ عالم کو عینِ ذاتِ خداوندی سمجھنے والے بھی "شیخِ اکبر" کہلانے کے مستحق ہیں، اور ان کی تردید میں عمر بھر جہاد کرنے والے بھی مجددِ اعظم"۔ ان میں سے ہر فرقہ، دوسرے فرقے پر کفر کے فتوے بھی لگاتا ہے اور پھر ان تمام فرقوں کے مجموعہ کا نام امتِ محمدیہ بھی قرار دیتا ہے۔ سو جن کے اسلام کی یہ حالت ہو وہ اگر رسول اللہ کے نقشِ حیات اور ان کے بالکل برعکس، مسلکِ زندگی کو عین مطابق اسلام قرار دے لیں تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے؟ اس وقت دنیا کے دہریوں کی یہ حالت ہے کہ چین، اپنی تباہی تک مول لینے کے لئے تیار ہے لیکن روس کو مارکس کا متبع قرار دینے کے لئے آمادہ نہیں کیونکہ وہ (اس کے نزدیک) مارکسزم میں بدعت کا مرتکب ہو رہا ہے لیکن توحید پرستوں کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ہر قسم کے متضاد نظریاتِ زندگی اور مسالکِ حیات کو مطابقِ اسلام قرار دیتے ہیں اور قطعاً نہیں سوچتے کہ اس سے وہ کیسی مضحکہ انگیز صورت پیدا کر رہے ہیں۔

—(o)—

بہرحال، ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآنی نظام کے داعیِ اول (حضور نبی اکرمؐ) نے جس سوسائٹی کو متشکل فرمایا۔ اس کا ہر ممبر اس اقرار کے ساتھ اس سوسائٹی میں داخل ہوا تھا کہ وہ قرآنی نظام کے تابع زندگی بسر کرے گا۔ لہٰذا،

؎ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک تاریخ کے ایسے واقعات جو صحابہؓ کی زندگی کو قرآنی تعلیم یا رسول اللہ کی زندگی سے مختلف ثابت کرتے ہیں، وضعی ہیں اور ناقابلِ اعتبار۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ کی زندگی قرآن کے مطابق اور صحابہؓ کی زندگی رسول اللہ کی زندگی کے مطابق تھی۔

وہاں سوال صرف طریقِ کار کا تھا۔ لیکن ہماری حالت ان سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ایک سوسائٹی پہلے سے موجود ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی قرآنی نظام کو سمجھ سوچ کر، اس یقین و ایمان کے ساتھ اس سوسائٹی کا ممبر نہیں بنا کہ وہ اس نظام کو اپنے اوپر عملاً وارد کرنے، اور پھر اسے دنیا میں عام کرنے کے لئے، اس سوسائٹی میں شامل ہو رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں، جس اسلام کی طرف وہ اپنی نسبت کرتا ہے، اس کے سامنے اس کا بھی کوئی متعین مفہوم نہیں ــــ یہ بھی اسلام ہے (اور وہ بھی) اسلام ــــ اور یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس نظریہ کا ایک، واحد، متعین اور منفرد مفہوم نہ ہو، بلکہ کہا یہ جائے کہ یہ مفہوم بھی صحیح ہے اور وہ مفہوم بھی صحیح ــــ اس پر کسی کا مستحکم یقین نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے جب (خدا کے ماننے والوں کے متعلق) کہا تھا کہ فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا۔ (اگر یہ خدا کو اس تصور کے مطابق مانیں جو تمہارا تصور ہے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ وہ صحیح راستے پر ہیں) تو اس سے یہی مقصود تھا۔ سُبُل متفرقہ (مختلف راستوں) کو یکساں ماننے والوں کو قرآن ایمان والے قرار ہی نہیں دیتا ($\frac{6}{154}$)۔ اسلام، جب ایک نظریۂ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے، تو اس کا مفہوم بھی ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے۔ "مذہب" چونکہ انفرادی چیز ہوتا ہے اس لئے اس میں اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا کہ ایک شخص نے اس کا کوئی مفہوم لے لیا اور دوسرے نے کوئی اور۔ لیکن دین تو اجتماعی نظامِ حیات کا نام ہے اس لئے اس میں مختلف مفاہیم لینے کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ جو ہر مسلمان کے لئے حکم ہے کہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہو، وہ اپنا "رخ جانبِ قبلہ رکھے" تو اس کا عملی مفہوم یہی تھا کہ دنیا کے ہر مسلمان کا نصب العین حیات ایک ہونا چاہیئے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اور یہ وجہ ہے قرآن نے، فرقہ بندی کو بالفاظِ صریح شرک قرار دیا ہے۔ ($\frac{30}{31}$)

لہٰذا، موجودہ مسلمانوں کی پہلی مشکل تو یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو سمجھ سوچ کر، بہ طیبِ خاطر، بطور نظامِ حیات قبول نہیں کیا۔

اور ان کی دوسری دشواری یہ ہے کہ جس اسلام کی طرف یہ اپنی نسبت کرتے ہیں، اس کا کوئی ایک متعین مفہوم ان کے سامنے نہیں۔

اور تیسری دشواری یہ ہے (اور یہ سب سے اہم اور بنیادی دشواری ہے) کہ بہ حیثیتِ مجموعی، اسلام کا جو تصور ہماری مذہبی پیشوائیت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، اُسے اُس اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں جسے خدا نے اپنے رسول کی وساطت سے عطا فرمایا تھا ــــ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نظامِ سرمایہ داری کو مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقے عین اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور اسلام میں فرقوں کے وجود کو کوئی بھی شرک تسلیم نہیں کرتا! حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام کی یکسر نقیض ہیں۔

یہ ہے وہ مقام جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ

اسلامی نظام کا واضح مفہوم متعین کیا جائے ——— ایک متعین مفہوم۔

یہ کام مذہبی پیشوائیت کے بس کا نہیں۔ ہماری مذہبی پیشوائیت، فرقہ بندی کا شکار ہے اور فرقہ بندی میں (قرآن کے الفاظ میں) ہوتا یہ ہے کہ کل حزب بما لدیھم فرحون (۳۰/۳۲) ہر فرقہ اپنے مسلک کو حق سمجھتا ہے۔ اور اپنے عقاید میں ایسا مست ہوتا ہے کہ (اس کے خلاف کسی نظریہ کو حق سمجھنا تو درکنار) وہ اس پر تنقیدی نگاہ ڈالنا بھی کفر و الحاد کے مرادف سمجھتا ہے ——— فرقہ بندی قائم ہی اس قسم کی متشدد عصبیت سے رہ سکتی ہے ——— جو حضرات ہزار برس سے یہ نہ طے کر سکے کہ نماز میں آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیئے یا نیچی سے، کیا وہ پورے کے پورے اسلامی نظام کا ایک متفق علیہ مفہوم متعین کر سکیں گے؟ ان سے ایسی توقع رکھنا خود فریبی ہے۔

یہ کام مملکت کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اسلام میں نہ دین و دنیا دو الگ الگ شعبے ہیں اور نہ ہی انسانی زندگی کو مختلف خانوں (COMPARTMENTS) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امت کی پوری کی پوری زندگی کے متعلق ضوابط مقرر کرے۔ ظاہر ہے کہ مملکت کی طرف سے متعین کردہ ضابطہ قوانین ساری قوم کے لئے ایک ہی ہو سکتا ہے ——— اس میں دین و دنیا کی تفریق تو ایک طرف، شخصی اور پبلک لاز کی تفریق بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یعنی

اسلامی نظام کا مفہوم متعین کر کے اسے ملک میں عملاً نافذ کرنا۔

مذہبی پیشوائیت تو ایسا کر نہیں سکتی تھی اس لئے اس نے نہ اب تک ایسا کیا، نہ ہی ایسا وہ کبھی کر سکے گی لیکن ہمارے ہاں کی مملکت نے، ایسا کر سکنے کے باوجود، ایسا نہ کیا۔

لیکن کسی نے ایسا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس کے بغیر نہ مملکت اسلامی بن سکتی ہے، نہ موجودہ مسلمان، مسلمان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

———(۲)———

اسلامی نظام کا مفہوم متعین کرنے کے بعد، اگلا مرحلہ یہ ہوگا کہ اس مفہوم کو دلائل و براہین کی رو سے سمجھایا جائے۔ اور نہایت محبت اور شفقت سے مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے ان سے کہا جائے کہ وہ اس پر اچھی طرح سے غور و فکر کر لیں۔ سمجھ سوچ لیں۔ اور اس کے بعد اس کا فیصلہ کریں کہ وہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہیں تو پھر ہمیں اسلام کے احیاء کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اگر وہ اس پر رضامند ہوں تو سمجھئے یہ ہوگی وہ سوسائٹی جو بیٹھ کر سوچے گی اور اس کا فیصلہ کرے گی کہ اس نظام کو اس کی آخری منزل تک لیجانے

کے لئے تدریجی پروگرام کیا بنایا جائے۔ واضح رہے کہ ان کا نصب العین تو وہی ہوگا جو مفہوم انہوں نے اسلامی نظام کا متعین کیا تھا۔ سوال صرف اس نصب العین تک پہنچنے کے عملی وسائل و ذرائع اور طرق و اسالیب کا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ مملکت اس نظام کا مفہوم کس طرح متعین کرے گی اور اس کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب خدا نے خود اپنی کتاب میں دے دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

(۱) جو اپنے معاملات کے فیصلے اس کتاب کے مطابق جسے خدا نے نازل کیا ہے، نہیں کرتے، وہ مسلمان نہیں، کافر ہیں (۵/۴۴)

(۲) اس کتاب میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ (۴/۸۲)

(۳) یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ (۶/۱۱۶)

(۴) یہ سمجھنے کے لئے بڑی آسان ہے۔ (۵۴/۴۰)

(۵) یہ حرفاً حرفاً محفوظ ہے۔ (۱۵/۹)

سوچئے کہ جس کتاب کا یہ دعوےٰ ہو، اس سے (اس قوم کے لئے جو اس کے ان دعاوی کے سچا ہونے پر ایمان رکھتی ہو) اسلامی نظام کا واحد مفہوم متعین کر لینا کچھ بھی مشکل ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی کوشش میں، اس میں جزئی طور پر کوئی سقم رہ جائے، لیکن مزید غور و خوض سے وہ بآسانی رفع ہو سکتا ہے۔ بنیادی چیز تو قرآن کو بطور معیار تسلیم کرنا ہے۔ ایک غیر متبدل معیار کی موجودگی میں کسی سہو و خطا کی تصویب چنداں مشکل نہیں ہوتی۔ اور جب وہ معیار ایسا ہو جس میں کوئی بات اختلافی نہ ہو، تو یہ بھی ناممکن ہے کہ اس سے دو متضاد معاشی نظاموں کا جواز نکل آئے۔

یہ ہے وہ طریق جس کے مطابق قرآنی نظام پاکستان میں نافذ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس کے نفاذ کے طریق میں بھی، کمیونزم اور قرآنی نظام میں کس قدر بنیادی فرق ہے۔ کمیونسٹ اپنے نظام کو قوت کے ذریعے مسلط کرتے ہیں، لیکن قرآن کا اعلان ہے کہ دین (نظامِ زندگی) کے باب میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں (۲/۲۵۶)۔ یہ بطیب خاطر قبول کرنے اور دل و دماغ کے کامل اطمینان کے ساتھ قائم رکھنے کی چیز ہے۔ اور (منجملہ دیگر امور) یہ بھی ایک وجہ ہے کہ کمیونزم کا نظام بزور مسلط تو کیا جا سکتا ہے، آگے نہیں چل سکتا۔ خود ہماری تاریخ میں بھی یہی ہوا۔ جس معاشرہ نے اسے سمجھ سوچ کر بطیب خاطر قبول اور اختیار کیا تھا، اس نے اسے نہایت عمدگی سے چلایا۔ لیکن اس کے بعد جو لوگ محض میدانِ جنگ میں شکست کھا جانے کے بعد اس سوسائٹی میں شامل ہو گئے، وہ اسے آگے نہ چلا سکے۔ فاتح قوم (مسلمانوں) نے ان لوگوں سے اسلام، بزورِ شمشیر نہیں منوایا تھا۔ اسے انہوں نے از خود اختیار کیا تھا۔ لیکن اسے اختیار سمجھ سوچ کر نہیں کیا تھا بلکہ فاتح قوم کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر ان کی تقلید میں اسے اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح اسلام قبول کر لینے اور سمجھ سوچ کر قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے بعد ایمان لانے میں یہی فرق تھا جس کے پیشِ نظر قرآن کریم نے ان صحرا نشین عربوں کے متعلق ـــــ جو اسلامی مملکت کی شان و شوکت کو دیکھ کر اسلام لے آئے تھے ـــــ واضح

الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ "ان سے کہہ دو کہ یہ، یہ نہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، صرف یہ کہیں کہ ہم اس مملکت کے سامنے جھک گئے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترا۔ (۴۹/۱۴)۔ قرآنی نظام صرف اس سوسائٹی کے ہاتھوں قائم ہو سکتا ہے جس کے دل کی گہرائیوں میں ایمان اتر چکا ہو۔"

اور اس کا طریق یہ ہے کہ اس سوسائٹی کی ہر نئی نسل کی تعلیم اس نہج سے کی جائے کہ وہ اس نظام کی صداقت کو دلائل و براہین کی رُو سے اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اس طرح جاری رکھا جائے، تو پھر یہ قوم اس نظام کو نہایت عمدگی سے چلاتی جائیگی۔

―――(۰)―――

یہ ہے ہماری بصیرت کے مطابق وہ طریق جس سے ہم قرآنی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں لیکن اگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی تبدیلی ناممکن ہے تو پھر ہمیں، نہایت دیانتداری سے 'اسلامی نظام' کا نام لینا چھوڑ دینا چاہیئے۔ ہم جس انداز سے اس وقت اسلامی نظام کی "مہارنی" پکار رہے ہیں۔ اس نظام سے مذاق ہے۔ اور جو کچھ "اسلام کے لئے" کر رہے ہیں، اس سے اسلام اور زیادہ نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ موجودہ اسلام، بالعموم ہمارے دورِ ملوکیت، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا وضع کردہ ہے، اس لئے اس کی تقویت کے لئے سامان بہم پہنچانا، خلافِ اسلام نظریات و مسالک کی پرورش کرنا ہے۔ یہ ہمارے مکتب، مدرسے، دارالعلوم، یہ اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کے نصاب، یا دوسری طرف یہ اسلامی مشاورتی کونسلیں اور تحقیقاتی ادارے ۔۔۔ غرضیکہ خدمتِ اسلام کے نام سے جو کچھ گذشتہ بیس سال سے ہو رہا ہے، یہ اگر اسلام کے نام سے ابلہ فریبی نہیں تو خود فریبی ضرور ہے۔ اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ خود فریبی سے حقائق نہیں بدل جایا کرتے۔ آپ کتنی ہی نیک نیتی سے ببول کے پیڑ کی آبیاری اور نشوونما کرتے رہیں، اس سے انگوروں کے خوشے حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اگر آپ انگور حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ببول کے پیڑ کو جڑ سے اکھیڑ کر اس کی جگہ انگور کی بیل کاشت کریں۔ یہ ہے سنت اللہ ۔۔۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ (سنت اللہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی) اسی لئے اقبال نے احیاءِ اسلام کے لئے تعمیرِ نو (RE - CONSTRUCTION) کا تصور دیا تھا، اس کی موجودہ عمارت میں رنگ و روغن کا نہیں، اور اس تعمیرِ نو کا معیار یہ دیا تھا کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

عیدِ میلاد النبی کا حسین ترین تحفہ

معراجِ انسانیت

یہ بالکل بجا ہے کہ قرآنِ کریم میں پیش کردہ نظام اپنی محسوس شکل میں سامنے نہیں آسکتا جب تک صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) کی سیرتِ طیبہ سامنے نہ ہو لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضورؐ کی سیرتِ مقدسہ اپنی حقیقی شکل میں سامنے نہیں آسکتی جب تک اسے قرآنِ کریم کے آئینے میں نہ دیکھا جائے۔

ہمارے لٹریچر میں

معراجِ انسانیت

وہ پہلی کامیاب کوشش ہے جس میں، نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ اصولی طور پر قرآنِ کریم سے مرتب کی گئی ہے اور کتبِ تاریخ و روایات سے وہی واقعات لئے گئے ہیں جو قرآنی تصریحات کی تائید کریں۔

پرویز صاحب نے اپنے مدت العمر کے تدبر فی القرآن کے بعد اس سیرت کو مرتب کیا تھا۔ یہ آج سے قریب بیس سال پہلے شائع ہوئی تھی اور مدت سے نایاب تھی۔ للہ الحمد کہ اب اسے مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد نہایت آب و تاب سے دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز (۲۲×۲۹/۸) کے قریب پانچسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ نہایت عمدہ سفید کاغذ پر اعلیٰ درجہ کی روشن طباعت سے مزین ہے۔ جلد مضبوط اور گردپوش نہایت جاذبِ نگاہ ہے۔ قیمت فی جلد بیس روپے (علاوہ محصول ڈاک)

(جن حضرات کی فرمائشیں ادارہ میں موصول ہو چکی ہیں انہیں کتاب سب سے پہلے بھیجی جائیگی)

پیشگی خریداروں میں سے جو حضرات کتاب نہ لینا چاہتے ہوں وہ براہِ کرم ۱۵ رجون تک اطلاع دے دیں اس کے بعد کتاب کی روانگی شروع ہو جائے گی۔

ملنے کا پتہ

ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور	مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

خورشید عالم

رنگ و نسب کا عالمی کردار

کبھی اقبال نے مرغِ حرم کے بال و پر کو رنگ و نسب کے غبار سے آلودہ دیکھا تو اسے پرفشانی کی تلقین کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا[1]۔ آج اقبال زندہ ہوتا تو دیکھتا کہ رنگ و نسب کی مشتِ خاک آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک تک پر چھا گئی ہے اور بر و بحر تو کیا خلا تک کو غبار آلودہ کر چکی ہے۔ جب تک یہ تہ بہ تہ اور موج در موج حمیت کو سرِ استعمار پر ڈال نہیں دیا جاتا انسانیت کے قلزم و جیحوں رواں دواں نہیں ہو سکتے۔

پچھلی کئی قسطوں میں یہ مطالعہ ہوتا چلا آیا ہے کہ یورپ رخشِ مشین پر اس انداز سے گھر سے نکلا کہ نہ باگ پر ہاتھ تھا، نہ رکاب میں پاؤں تھا۔ وہ ایسا سرپٹ اطراف و اکناف میں پہنچا کہ انسان و اقدارِ انسانیہ کو روندتا چلا گیا۔ امریکہ، افریقہ اور ایشیا اس کے جبر و استبداد اور سلب و نہب کا بے دریغ نشانہ بنے۔ ان براعظموں پر یورپ ایسا مسلط ہوا کہ اس کا استعمار ناقابلِ شکست نظر آنے لگا۔ امریکہ نے اس کے خلاف کامیاب بغاوت کی لیکن اس کا خمیر یورپ ہی کی مٹی سے اٹھایا گیا تھا، اس لئے آزاد ہو کر امریکہ خود استعمار کی علامت بننا شروع ہو گیا ——— کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو! ایشیا اور افریقہ میں اس صدی کے آغاز سے بغاوت کی تحریکیں ابھرنے لگیں اور ایک ایک کر کے کامیاب ہونے لگیں۔ یہ کامیابی یورپ کی سیاسی پسپائی کا پیش خیمہ اور باعث تھی۔ لیکن اگر ایک طرف یورپ پسپا ہونے لگا تو دوسری طرف امریکہ استعماری قوت کی حیثیت سے ابھرنے لگا تا آنکہ اس صدی میں وہ واحد استعماری عالمی قوت بن گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد کوئی چار سال ایسے بھی گزرے کہ امریکہ نوویانت اور تباہی میں بے نظیر ایٹمی طاقت کا بلاشرکتِ غیرے مالک رہا۔ فیصلہ قوت کا ہوتا تو کرۂ ارض امریکہ کے قدموں میں ہوتا لیکن تاریخ میں ناطق فیصلے ہمیشہ انسان نے خود کئے ہیں اس کی اپنائی یا ہتھیائی ہوئی قوت نے نہیں کئے۔ چنانچہ امریکی قوت دھری رہ گئی اور اسے چین سے پوری طرح بے آبرو ہو کے نکلنا پڑا۔ وہ چین سے نکلا تو دنیا بدل گئی۔ روس ایٹمی قوت کا مالک بن گیا اور امریکہ کی ایٹمی اجارہ داری ختم ہو گئی۔

یہ اجارہ داری تو ختم ہو گئی لیکن استعمار کا خناس اور بڑھ گیا۔ یورپ میں امریکہ اس مادرِ استعمار کے تنِ بے جان

---

[1] غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے ۔ تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

میں جان رفتہ لانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ لکد کوب اشتراکیت کی متحمل ہو سکے۔ اس نے روس کو اپنے میدان میں اپنا مد مقابل بنتے دیکھا تو رُخ پھر سے چین کا کر لیا۔ کوئی دم میں کوریا بین الاقوامی جنگاہ بن گیا۔ امریکہ اقوامِ متحدہ تک کو گھسیٹ کے کوریا میں لے گیا اور اس عالمی ادارے کی آبرو کا آئینہ سرِ بازار پاش پاش کر کے دم لیا۔ بایں ہمہ اس چور دروازے سے صحنِ چین میں داخل ہونے کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ کوریا نے امریکہ کو مایوس تو کیا لیکن اس کے پائے استعمار کو لنگ نہ کر سکا اور وہ ویت نام کے دروازے تک جا پہنچا۔ اس دروازے پر دیو استبداد ناچا اور خوب خوب ناچا۔ وہ ناچ ناچ کے پاگل ہوا اور پاگل ہو ہو کے ناچا۔ وہ ناچے ہی چلا جا رہا ہے۔ ویت نام میں امریکہ نے فرانس کی کھڑاویں پہنیں اور اس یورپی ملک کے استعماری تجربے سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسے سیٹو کے نام نہاد دفاعی معاہدے میں منسلک کر لیا۔ لیکن اس کا یہ استعماری پیشرو یوں بغل میں جوتے داب کے اس علاقے سے نکلا اور اس نے اپنی یورپی حیثیت پر قناعت کر کے بے منتِ امریکہ آزادانہ طور پر قومی نشو ونما پر توجہ مرکوز کرنے میں اپنی عافیت اور مصلحت کا تقاضا سمجھا۔ امریکہ کو ایک عرصہ برطانیہ جیسی فرانس سے بڑھ کر تجربہ کار استعماری طاقت کا تعاون حاصل رہا لیکن عالمی حقائق کی جس بے پناہی کا اعتراف فرانس نے ۱۹۵۴ء میں کر لیا تھا، وہی اعتراف برطانیہ' خرابی بسیار کے بعد اب کرنے پر آ گیا ہے۔ اس کے استعمار کی دم سیدھی تو کیا ہوگی الٹی لٹک کر دونوں ٹانگوں میں رہنے ضرور لگی ہے۔ چنانچہ اب بالآخر برطانیہ بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ سویز سے مشرق میں جہاں جہاں اس نے سینگ گاڑ رکھے ہیں' ان سب جگہوں سے وہ بے دخل ہو جائیگا۔

پہلے فرانس اور اب برطانیہ کے شکستِ استعمار کا اعتراف کر لینے پر مجبور ہو جانے سے امریکہ میدانِ استعمار میں تنہا رہ گیا ہے۔ اس کی تنہائی سے محاذِ جنگ سکڑنے کی بجائے اور پھیل گیا ہے۔ گہرائی اور گیرائی میں یہ محاذ ناقابلِ تصور سرحدوں کو چھونے لگا ہے۔ یہ سرحدیں انفس و آفاق دونوں کی ہیں' اور ایسا لگتا ہے کہ انسانیت کے بنیادی روگ یعنی استعمار کے بیخ و بن سے اکھڑنے کی طرح پڑ چکی ہے اور آدم کے ہنگامِ نمود کے لئے مطلع صاف اور تیار ہونے لگا ہے۔ مستقبل کا یہ تجزیہ اور تصور سرِ شام صبح درخشاں کی باتیں کرنے کے مترادف ہے لیکن جیسے یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ صبح ہو کے رہے گی اسی طرح یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ابھی استعمار کی ساری رات درمیان ہے اور رات بھر میں تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ چکے گی تو کہیں جا کر اس کے سینۂ تیرہ و تار سے نور کی کرن پھوٹنے کی آس پیدا ہوگی۔ امریکہ کی جنگ سہ گونہ ہو گئی ہے۔ وہ فطرت سے بھی لڑ رہا ہے' انسان سے بھی اور اپنے آپ سے بھی۔ یہ اس کی خارجی جنگ بھی ہے اور داخلی بھی۔ خارج میں وہ جنگ کو خلا تک لے گیا ہے اور زمین و آسمان میں ایک ایسی قیامت برپا کرنے میں لگا ہوا ہے جو کرۂ ارض پر زندگی تو الگ رہی کرۂ ارض تک کو ریزہ ریزہ کرنے کا موجب بن جائے۔ یہ قیامت پرتو ہے اس قیامت کا، جو ضمیرِ امریکہ کی گہرائیوں میں برپا ہے۔ امریکہ سائنس اور مشین کی تمام تر تباہ کاریوں کو

نے کرخلاء میں خلل انداز ہو رہا ہے اور مشیت اس کے اعماقِ قلب میں اتر کر تہذیبِ فرنگ کی اس آلائش کو پاک و صاف کرنے میں لگ گئی ہے جو صدیوں سے امریکہ کی اندھی آنت میں جمع ہو ہو کر انسانیت کی بنیادوں میں تعفن پیدا کئے جا رہی ہے۔

امریکہ آفاق میں جو کچھ کر رہا ہے اس کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ حوالہ کے لئے خصوصیت سے "خلاء کا عالمی کردار" (فروری ۱۹۶۸ء) اور "سمندر کا عالمی کردار" (اپریل ۱۹۶۸ء) دیکھ لئے جائیں۔ جو کچھ انفس میں ہو رہا ہے وہ اب ایک حد تک آشکارا اور قابلِ فہم ہونے لگا ہے۔ امریکہ جس تہذیب کا مظہر ہے اس کے دو محرکات رہے ہیں۔ ایک مشین اور دوسرا رنگ۔ یورپ مشین کے زور پر اٹھا اور دنیا پر مسلط ہو گیا جس روشنی علم و ہنر کا اس نے اپنے آپ کو خورشید کہا، اور کہلوایا وہ ساری کی ساری صرف مشین ہی پر مرکوز رہی۔ مشین کو خوب ترقی ملی۔ وہ یورپی انسان کے اعصاب پر مسلط ہو گئی اور اسے بے حس مشین بنا کے رکھ دیا۔ اب وہ خود کار ہو کے انسان کو بے دخل کرتی جا رہی ہے اور اس میں دماغ تک ابھرنے اور کام کرنے لگ گیا ہے۔ اس سے یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ زندگی ارتقاء کی جو طول طویل مسافت جرثومۂ اولین کی نمود سے لے کر انسان کے ظہور تک طے کرتی چلی آئی ہے، اس کی سمت انسان کی طرف سے ہٹ کر مشین کی طرف ہو گئی ہے اور اب ارتقاء انسان میں نہیں مشین میں ہوگا۔ یہ بہرحال علیحدہ بحث ہے اور پیشِ نظر موضوع سے غیر متعلق — ان مشینوں کے زور ہی سے استعمار کے سفیر سوئے گردوں جانے شروع ہو گئے ہیں۔ افلاک سے وہ کیا جواب لائیں گے یا لا سکتے ہیں اس کا جائزہ خلاء کے عالمی کردار کے ضمن میں لیا جا چکا ہے۔

تہذیبِ مغرب کا دوسرا محرک یعنی رنگ، مشین پر مقدم ہے۔ کیونکہ مشین کو اسی کے تحت ترقی دی گئی اور دی جا رہی ہے اور اس کے تقاضوں کے مطابق استعمال کیا جا رہا ہے۔ انسان کی قدر و منزلت کا معیار سطحِ انسانیت جلد کی رنگت نہیں۔ رنگت خارجی اثرات کی پیداوار ہے۔ شخصیت یا انسان کی اندرونی کیفیات کی آئینہ دار نہیں۔ واردات ہوں یا ادراکات، وہ قلب و شعور کے مظاہر ہیں، رنگ کے پروردہ نہیں۔ مغرب نے کہنے کو تو یہی کہا کہ انسان بہ حیثیت انسان مکرم ہے، لیکن عملاً بربنائے رنگ اپنی عظمت جتائی اور علمی اور سیاسی اثر و اقتدار کا دیدہ دلیرانہ فائدہ اٹھا کر گوروں کا رعب دلوں میں بٹھایا۔ مغربی انسان جہاں جہاں گیا اس نے گورے اور کالے کی تمیز سختی سے روا رکھی۔ اس کا طرزِ معاشرت مقامی باشندوں سے الگ تو تھا ہی، اس کے رہنے، اس کے کام کرنے . . . . اور اس کے چلنے پھرنے کی جگہیں تک الگ اور مخصوص ہو گئیں۔ ان جگہوں اور راستوں کا استعمال کالے لوگ حکماً اور جبراً نہیں کر سکتے تھے، اور ذرا سی کوتاہی پر سخت سے سخت سزا پاتے تھے۔ کالوں کا گذر کہیں روا رکھا گیا تو گوروں کی خدمت گزاری کے لئے اور حلقہ بگوش غلاموں کی حیثیت سے۔ کالوں کے حریم میں یورپی خودی جاگزیں کرنے کے لئے عیسائیت کو بطور حیلۂ حرب فروغ دیا گیا۔ لیکن رعب یا لالچ میں آ کر جن لوگوں نے اسے قبول کر لیا وہ متعدد دنیاوی منافع حاصل کر لینے کے باوجود

گوروں کے مقابلے میں رہنے کا لے کے کالے ـــ ذلیل اور قابلِ نفرت! یوریشین آشرم میں درجہ اول ان یورپی نژادوں کو حاصل تھا جو یورپ میں پیدا ہو کر غیر یورپی دنیا میں جاتے تھے۔ دوسرے درجے پر وہ یورپی تھے جو یورپ کے باہر پیدا ہوتے اور پلتے اور جوان ہونے کے لئے یورپ نہ آسکے۔ ایشیا میں یہ طبقہ "یوریشین" کہلاتا تھا۔ اس کے بعد وہ طبقہ تھا جو یورپی باپ (یا ماں) سے پیدا ہوتا تھا۔ آخر میں وہ آتے تھے جنہوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، وہ گھر کے رہے یا نہ رہے گھاٹ کے بالکل نہ ہو سکے۔

یہ صورت حال ان متعدد علاقوں میں تھی جہاں اہل یورپ حکمرانوں کی حیثیت سے گئے اور حکمرانوں ہی کی حیثیت سے رہے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو اجنبی سمجھتے رہے اور مقامی لوگ بھی انہیں اجنبی اور ناخواندہ سمجھتے رہے۔ ان کے خلاف سیاسی تحریکیں ابھریں اور بے شمار قربانیوں اور طویل جدوجہد کے بعد وہ علاقے آزاد ہوئے۔ اس کے مقابلے میں ایسے علاقے بھی تھے جہاں اہل یورپ واپس آنے کے لئے نہیں گئے۔ وہ آبادکار کہلائے اور سیاسی اثر و رسوخ، چالاکی اور دھاندلی سے ذرائع پیداوار پر غاصبانہ قبضہ جماتے گئے۔ وہاں مقامی لوگ گوشۂ گمنامی اور قعرِ مذلت میں جھونک دیئے گئے۔ وہ غیر انسانی مظالم کا شکار بنے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اس طرح یہ علاقے گورے بن گئے اور گورے کہے اور کہلوائے جانے لگے۔ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا ایسے ہی دو علاقے ہیں جن کی رگِ جان سفید فاموں کے پنجے میں ہے۔ اس ذہنیت کا سب سے زیادہ گھناؤنا مظاہرہ افریقہ میں ہوا۔ اہل یورپ نے بڑے جتن کئے کہ اپنے دیدۂ بے حیا کی سفیدی اس تاریک براعظم پر پھیر دیں۔ شمال میں فرانس نے الجزائر کو غصب کیا اور آئینی طور پر اسے فرانس کا حصہ بنا لیا۔ اس دستوری جعل سازی سے الجزائری تو درجہ دوم کے شہری رہے البتہ انکی زرخیز زمینوں کے راستے اہل فرانس کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔ یوں فرانس کے لٹیرے جوق درجوق پہنچے اور ملک کے مالک بن بیٹھے۔ ایک عرصہ تو وہ الجزائر کی بات سننے تک کے روادار نہیں ہوتے تھے کیونکہ آزادی کے نام سے فرانس کے دستور کی توہین ہوتی تھی۔ بالآخر الجزائر کا نشتر نمودار ہوا اور فرانس کی فصد کھول کے اس کے جنونِ استعمار کی تسکین کا سامان کر دیا۔

چونکہ سارا براعظم افریقہ اہل یورپ کے قبضے میں تھا، اس لئے بڑی کوشش ہوئی کہ سیاسی آزادی ناگزیر ہو جانے سے پہلے پہلے زیادہ سے زیادہ علاقے گورے ہو جائیں تاکہ آزادی کا سوال ہی باقی نہ رہے اور گوروں کے غصب کو آئینی جواز حاصل ہو جائے۔ یہ کوشش جنوب میں خاص طور پر کامیاب ہوئی اور ایک ملک جسے جنوبی افریقہ کہا جاتا ہے گورا ملک بن گیا۔ وہاں سفید فام اقلیت سیاہ فام اکثریت پر جابرانہ تسلط جمائے ہوئے ہے اور رنگ و نسب پرستی کی بدترین شکل کو نظم سیاسی کے قالب میں ڈھال کر اپنے آپ کو آزاد ملک اور قوم کہہ رہی ہے۔ افریقہ کے چہرے پر اس برص کے داغ کو پھیلنے کا موقع دینے میں تمام مغربی اقوام متفق اور کوشاں ہیں۔ جنوبی افریقہ کی

رنگ ونسب پرستی کی ظاہری مذمت کرتے ہوئے بھی انہوں نے جنوب مغربی افریقہ اس کی تحویل میں دے دیا۔ یہ علاقہ کہنے کو امانت کے طور پر دیا گیا تھا لیکن اب جنوبی افریقہ اسے اپنا علاقہ سمجھتا ہے اور امریکہ جیسی طاقت نہ برطانیہ نہ اقوامِ متحدہ کے ذریعے اس ملک کو مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ امانت میں خیانت کرنا چھوڑ دے اور یہ علاقہ خالی کر کے واپس کر دے۔ اس طرح جنوبی افریقہ اور جنوب مغربی افریقہ دونوں علاقے گورے ہو گئے۔ جنوبی افریقہ کے شمال مشرق میں اس سے متصل علاقہ روڈیشیا کا ہے۔ اس علاقے کو بھی دو اور علاقوں (موجودہ ملاوی اور زمبیا) سے زبردستی جوڑ کر ایک ناخواندہ وفاق معرضِ وجود میں لایا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ اس میں سفید فاموں کو سیاسی، معاشی اور معاشرتی بالادستی حاصل رہے۔ کم وبیش دس سال تک سیاہ فاموں نے اس وفاق کے خلاف جدوجہد کی۔ وہ اسے توڑنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن آزادی تین وفاقی علاقوں میں سے دو ہی کو مل سکی۔ روڈیشیا کی سفید فام اقلیت نے "بغاوت" کر دی اور اپنی آزادی کا یک طرفہ اعلان کر دیا۔ برطانیہ نے دکھانے کو ناک منہ چڑھایا۔ کاغذی طور پر اس نے آج تک روڈیشیا کی آزادی کو تسلیم نہیں کیا لیکن اپنے مقبوضے کے خلاف اس نے نہ کوئی کارروائی خود کی، نہ دولتِ مشترکہ کے افریقی ارکان کو ہی کچھ کرنے دیا۔ اس طرح تین علاقے یعنی جنوبی افریقہ، جنوب مغربی افریقہ اور روڈیشیا سفید فام ہو چکے ہیں۔

یہ برص بدستور پھیلایا جا رہا ہے۔ جنوبی افریقہ کے شمال میں اور روڈیشیا اور جنوب مغربی افریقہ کے درمیان ایک محصور علاقہ ہے۔ یہ پچھلے سال آزاد ہو کر بالسوانہ کہلایا۔ اسے برطانیہ نے بڑی صفائی سے آزاد کر دیا اور ان تین سفید فام علاقوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ بالسوانہ سفید فام نہ بھی ہو تو یہ رہے گا سفید فاموں ہی کا دست نگر۔ اس سے آگے چلیے۔ جنوبی افریقہ اور روڈیشیا سے متصل افریقہ کا ساحلی علاقہ موزمبیق ہے۔ اسی طرح جنوب مغربی افریقہ سے متصل انگولا ہے۔ دونوں علاقے اس وقت پرتگال کے قبضے میں ہیں۔ ان میں آزادی کی تحریکیں ضرور چل رہی ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انہیں سیاہ فام آزاد علاقے بننے دیا جائے گا۔ اس کا امکان بہت ہے کہ یہ رنگ ونسب کی پھیلتی ہوئی قلمرو کا حصہ بن جائیں بلکہ بنا دیئے جائیں۔ بات چلتی جا رہی ہے۔ انگولا کے شمال اور مشرق میں اس سے متصل علاقہ کانگو کا ہے۔ کانگو بلجیم کے قبضے میں تھا اور ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا تھا۔ اس کی آزادی اس کے لئے نئی مصیبت کا پیغام لائی اور اس مصیبت نے آٹھ سالوں میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یورپ نے کانگو کو بالکل آرام سے بیٹھنے نہیں دیا۔ کبھی ایک باغی پیدا ہو جاتا ہے کبھی دوسرا۔ آج ایک علاقہ مرکز سے علیحدہ ہو جانے کا اعلان کرتا ہے اور لڑائی چھیڑ دیتا ہے کل دوسرا۔ یوں مسلسل پریشان کر کے کانگو کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ سفید فام بالادستی کسی نہ کسی شکل میں قبول کر لے۔ ایسا ہو جائے تو کم از کم ایک تہائی افریقہ سفید ہو جائے گا اور ہمسایہ سیاہ فام علاقے سفید فاموں کی زد میں آ کر صید زبوں بن سکیں گے۔ افریقہ میں آزادی کی رو چھوٹتی تو اہلِ یورپ نے بلند آواز سے یہ سوچنا شروع کر دیا

تھا کہ سفید فام اور سیاہ فام افریقہ میں حدِ فاصل کہاں کھینچی جائے۔ جنوب سے شروع کر کے ان کا خیال تھا کہ وسط افریقہ تک اس خط کو لایا جا سکے گا یا لایا جانا چاہیئے۔ عملاً ایسا تو نہ ہو سکا لیکن کوشش اسی کی ہو رہی ہے۔

رنگ و نسب کی بستیاں آباد کرنے کے سلسلے میں دو مغربی حربوں کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ایک پرانا حربہ ہے، دوسرا نیا۔ پرانا حربہ عیسائیت کا ہے۔ اسے اہلِ مغرب نے خوب استعمال کیا اور محض اس لئے کہ دوسری قومیں اسے قبول کر لیں تو اپنے آپ میں نہ رہیں اور اپنے آپ کو سفید فاموں کے ہم مذہب ہونے کے مغالطے میں ایسا مبتلا کر لیں کہ اسیری اور آزادی میں تمیز کرنے کے قابل نہ رہیں۔ افریقہ میں وہ عیسائی آبادیوں کو مسلمانوں کے خلاف خاص طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے وہ دوہرا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، ایک یہ کہ افریقہ کے مسلمان ممالک استحکام نا آشنا رہیں، تاکہ وہ منظم قوت نہ بن سکیں، اور دوسرے یہ کہ اسلام بحیثیت دین مقبول نہ ہونے لگے۔ اسرائیل کا قیام جیسا کہ نومبر ۱۹۶۷ء کے طلوعِ اسلام میں بحث کی جا چکی ہے، مسلمانوں ہی پر کاری ضرب لگانے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ نقشہ دیکھ کر یہ امر بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ اسرائیل کے قیام میں یہی پیش بینی برتی گئی تھی کہ افریقہ اور مشرقِ وسطےٰ کے مسلمان ممالک اسی ایک فتنے میں الجھے رہیں گے اور افریقہ کو اہلِ مغرب کے لئے تر نوالہ بن جانے دیں گے۔ سوڈان میں ایک حد تک، اور نائیجیریا میں بہت حد تک عیسائی یا غیر مسلمان آبادیوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور استعمال کیا جا رہا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمان مذہباً عیسائی ہو جائیں اور بالفرض نہ ہو سکیں تو اس حد تک دب ضرور جائیں کہ سیاسی طور پر منظم اور موثر نہ ہو سکیں۔

دوسرا حربہ کرایہ دار اہلِ یورپ لڑاکوں کا ہے۔ نو آزاد افریقی ممالک میں ملکی فوجوں کی تنظیم و تربیت بڑا اہم مسئلہ ہے۔ انہیں نسبتاً ترقی یافتہ افریقی اور ایشیائی ممالک سے استمداد کا موقع ملنے دیا جاتے تو ان کی مشکل کا تسلی بخش حل نکل سکتا ہے لیکن ہونے یہ لگا ہے کہ گورے فوجی، جعلی یا اصلی، افریقی ملکوں میں پہنچ پہنچ کر اپنی فوجی خدمات پیش کر رہے ہیں اور ناقابلِ یقین مراعات حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں کوئی ملک قیمت دے کے خرید سکتا ہے وہ کافی تعداد میں بکنے لگے ہیں۔ اس سے استحصال اور استعمار کی دوگونہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ کرایہ دار ملازم ہو کر اور شاہانہ تنخواہیں لے کر بدامنی کا موجب بن رہے ہیں اور جگہ جگہ خانہ جنگی کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ نمک افریقہ کا کھاتے ہیں اور گیت مغرب کے گاتے ہیں۔ ملازم مقامی حکومتوں کے ہوتے ہیں اور کھیل استعماری کھیلتے ہیں۔ آج کے افریقہ کا یہ سنگین مسئلہ بن نہیں گئے تو عنقریب بن جائیں گے اور افریقہ بھر میں ایسا عام خلفشار برپا کرنے کا باعث بن جائیں گے جس کا فائدہ استعمارِ مغرب کو پہنچے۔ دراصل وہ کارندے ہی استعمار کے ہیں۔

نیوزی لینڈ ہو یا آسٹریلیا، جنوبی افریقہ ہو یا روڈیشیا، سب استعمارِ مغرب کے کھیت ہیں۔ انہیں آباد اقوام یورپ نے کیا اور رنگ و نسب کا تخمِ خبیث ان میں خوب خوب بویا۔ ان کھیتوں میں جو پھل آ سکتا ہے وہ ان ہی سے

ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ ان ملکوں کی غاصب حکومتوں کا ذہن اور کردار استعماری ہیں۔ ان کی بنا دیں کالی، زرد اور گندمی رنگ کی انسانیت کے لئے نفرت ہی نفرت بھری ہے۔ نیوزی لینڈ کا ایک وزیر ویٹ نام میں امریکہ کی اخلاقاً ناروا، اور ہر پہلو بے جواز جنگ کے حق میں یہاں تک ہرزہ سرائی کر گیا تھا کہ ایشیائی دماغ ایسی سزا کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ، استعمارِ مغرب کے غیر شعوری ہم نوا ہی نہیں، اس کے بے جا کارندے بھی ہیں۔ وہ رنگ و نسب کے دیدہ دلیر نقیب ہیں اور مقامی آبادیوں پر غیر انسانی ظلم کرنے میں عار نہیں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ امریکہ کے لیے معتمد اڈے ہیں کہ اپنے کندھے پر امریکی بندوق کو غیر کی نہیں اپنی بندوق سمجھتے ہیں۔ امریکہ کے لئے ان مراکزِ رنگ و نسب کی اہمیت روز بڑھتی جا رہی ہے۔ جیسا کہ "سمندر کے عالمی کردار" (اپریل ۱۹۶۸ء) میں واضح کیا جا چکا ہے، اب امریکہ سمندر پر زیادہ سے زیادہ تکیہ کرنے پر مجبور ہو گیا ہے، کیونکہ زمینی علاقوں کے برعکس آبی خطوں میں آزادی کی تحریکوں کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ مقامی آبادیوں کے مطالبۂ آزادی سے بچنے کے لئے وہ سمندر میں ایسے جزیرے تلاش کرتا چلا جا رہا ہے جن پر کوئی آبادی نہ ہو تاکہ وہ انہیں بے خوف و خطر ایندھن کے ذخیروں اور مواصلات کے مراکز کے طور پر استعمال کرتا جائے۔ ایک طرف یہ ویران جزیرے ہیں جن میں انسانی آبادی نہیں اور دوسری طرح نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ جیسے آباد ویرانے ہیں جن میں انسانیت کا نام و نشان نہیں۔ ہر دو کی مدد سے امریکہ تمام بڑے سمندروں میں مضبوطی سے قدم جما رہا ہے۔

یہ ان کھیتوں کا ذکر ہے جہاں مغرب نے رنگ و نسب کے بیج بوئے اور جن کی فصل اب امریکہ کاٹنے لگا ہے افریقہ اور ایشیا میں امریکہ غالباً اس سے زیادہ کی توقع نہیں کر سکتا تھا لیکن حالات نے اسے ایک ایسا کھیت بخش دیا ہے جس کی تخم ریزی اور آبیاری میں مغرب کا قطعاً حصہ نہیں۔ یہ بھارت کا وسیع و عریض کھیت ہے۔ اس کھیت میں ہزاروں سال پہلے آریاؤں نے رنگ و نسب کا بیج بویا اور اس کی مٹی کو اس قدر زہریلا بنا دیا کہ کسی اور بیج کو نشو و نما دینا تو ایک طرف رہا یہ دوسرے بیج کو قبول تک نہیں کر سکی۔ آریاؤں کو گھمنڈ تھا کہ وہ برگزیدہ نسل کے لوگ ہیں اور ان کا رنگ سب سے بہتر ہے۔ رنگ و نسب کی بنا پر انہوں نے اپنے آپ کو "ہم" کہا اور دوسروں کو "تم" وہ گنگا جمنا کے محدود سے خطے میں "علاقہ بند" ہو گئے۔ اسے بھارت کا آریہ ورت اور ایسے کئی ناموں سے یاد کیا۔ بیرونی دنیا سے، جو ان کے لئے ایک طرف کوہِ کشمیر کے ادھر مغربی پاکستان تھی اور دوسری طرف دربھنگہ کے اس پار مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال تھی، انہوں نے اعلانیہ نفرت کا اظہار کیا اور اس نفرت کو اپنا مذہبی عقیدہ بنا لیا۔ ان کے سینوں میں نفرت کا لاوا اتنا بے پناہ تھا کہ موجودہ پاکستان کے دونوں حصوں کو جی بھر کے گالیاں دینے کے باوجود اس کا نکاس نہ ہو سکا۔ یہ لاوا اپنوں کے خلاف بھی کام آیا اور اپنوں سے نفرت بھی مذہبی عقیدہ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ انسانی نفرت کا یہ مظہر ورنؔ آشرم کہلایا۔ اس نے افقی اور عمودی لکیریں کھینچ کھینچ کر معاشرے کو نفرت کا وہ

لہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

چھوت بنا دیا جس کے خانوں میں بسنے کا حق بربنائے پیدائش تھا۔ ایک خانے میں پیدا ہونے والا اسی خانے میں مرنے کو دھرم سمجھنے لگا اور سمجھتا چلا آ رہا ہے۔ اس شکنجے کی کڑیاں بمرورِ مدت نے ایک حد تک ڈھیلی کیں۔ بعد میں اسلام نے کئی کڑیاں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ ورن آشرم کا ڈھانچہ پھر بھی قائم رہا، اور آج بھی قائم ہے۔ ورن آشرم کا محور برہمن ہے۔ وہ نہ حکومت کا خواہاں رہا، نہ اس کے حصول کے لئے کوشاں ہوا۔ حکومت سے اسے اسی حد تک سروکار ہے کہ وہ اس کی نازبرداری میں لگی رہے اور قدم قدم پر اس کی محتاج رہے۔ یہ ذہنیت ایسی راسخ ہو گئی ہے کہ بھارت نے نہ کبھی دل سے آزادی چاہی، نہ آج اسے آزادی کی ضرورت ہے[2]۔ آج کا بھارت رنگ کا تو کالا ہے لیکن رنگ کی برتری کا تصور اس کی روح کی گہرائیوں میں اس قدر جاگزیں ہو چکا ہے کہ اس نے افریشیائی برادری سے کٹ کر اپنے آپ کو استعمارِ مغرب کے تابع کر لیا ہے۔ کالے اور گورے کا یہ جوڑ کبھی برابر کا نہیں ہو سکتا لیکن رنگ و نسب کی ذہنیت نے دونوں میں ایک قدرِ مشترک مہیا کر دی ہے اور وہ ایک دوسرے کی طرف غیر شعوری طور پر کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اب چچا سام کے استعماری رتھ میں بھارت کا ہنومان جت گیا ہے۔ دونوں کے نفرت سے دہکتے سینے انسانیت کے لئے ایک نئی قیامت کا پتہ دے رہے ہیں۔ یہ قیامت آ کے رہے گی، آتی جا رہی ہے۔ لیکن اب یہ ہنومان کسی لنکا کو جلا کے سیتا برآمد نہیں کر سکے گا۔ اب سیتا برآمد ہو گی رتھ اور ہنومان دونوں کی خاکستر سے۔ رنگ و نسب کا زہر بیخ و بن سے پوری طرح زائل ہو جائے گا تو انسان کی کھیتی سیتا[3] بن جائے گی اور انسانیت کی لہلہاتی فصل تیار ہونے لگے گی۔

یہاں آ کر مشیت کی کارفرمائی اور حکمت سامنے آتی ہے۔ انسان نے حیوانی سطح سے ابھر کر موجودہ سطح تک پہنچنے کے لئے بڑی لمبی اور کٹھن مسافت طے کی ہے اور وہ گوناگوں مراحل سے گزرا ہے۔ وہ غاروں سے نکل کر کھیتوں میں آیا اور جہاں جہاں اسے قدرت کی طرف سے کھانے پینے کے لئے کچھ دستیاب ہوا، وہیں وہیں مارا مارا پھرا۔ وہ خاندانوں اور قبیلوں کے ریوڑوں میں رہتا اور پھرتا رہا۔ انسانیت کی سطح آہستہ آہستہ ابھرتی اور پھیلتی گئی۔ خاندان وسیع ہو کر قبیلے بنے۔ قبیلے شہری سلطنتوں کی شکل اختیار کر گئے۔ انسان کی دنیا اور وسیع ہوتی گئی ہوتے ہوتے وہ قوموں اور ملکوں تک آ پہنچی۔ ملکوں اور قوموں کی حدبندی بھی مزاجِ انسانی کے خلاف ہے۔ لیکن وطنی تصورات نے اس سیلاب کے سامنے بند باندھ رکھے ہیں۔ راہ نہ پا کر یہ سیلاب چڑھ چڑھ گیا اور ۱۹۱۴ء اور

حاشیہ صفحہ گذشتہ[1] ورن کے معنی رنگ کے ہیں۔ گویا انسان سے نفرت بربنائے رنگ و نسب۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے "بھارت کا عالمی کردار" (ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۶ء)

[3] سیتا کے معنی کاشت کی ہوئی زمین کے ہیں۔

۱۹۳۹ء میں اس نے عالمگیر تباہی مچائی۔ اس تباہی کی بدولت ایک بند سے آگے کا تصور تو پیدا ہوا لیکن وہ عالمی یا انسانی تصور نہ بن سکا۔ بلکہ بین الاقوامی ہو کے رہ گیا۔ قومیں جو سے انسانیت کا بہ حیثیت کل تصور کرنے کے لئے تیار نہیں اور اسے قطرہ قطرہ کر کے دیکھنے اور رکھنے پر مصر ہیں۔ کوئی ماہی کسی خضر سے یہ پوچھنے تک کی روادار نہیں ہوتی کہ دریا کہاں ہے؟ ہر موج بیاکنار دریا کے موتی اپنے ہی لئے ہتیانا اور سینے سے رکھنا چاہتی ہے۔ یہ موتی دریا کی دولت ہیں، ان کی اجارہ داری منشائے فطرت کے خلاف ہے۔ پھر بھی موجیں موجوں سے الجھتی ہیں۔۔۔ الجھتی چلی آتی ہیں۔ جب بالآخر وہ ساحل پر آ کر سر پٹکتی ہیں تو خار و خس و خاک کے علاوہ کچھ اور سوغات انہیں نہیں ملتی۔

اس خلفشار و ہیجان کے بطن سے ایک رَو ابھری۔ اس کی اُٹھان سے اس پر بالائے قومی رَو کا گمان گزرا۔ لیکن بصیرت کی آنکھ اس کے ماتم میں روئے بغیر نہ رہ سکی۔ یہ اشتراکیت کی رَو تھی جو روس سے اُٹھی تھی۔ اس کا مزاج عالمی تھا لیکن کردار بین الاقوامی بن گیا۔ چین میں پہنچ کر اس کا مزاج نکھرتا دکھائی دیتا ہے لیکن امریکہ چین کے روبرو ہو کر اس پانی کو گدلا کرنے لگ گیا ہے۔ اس کے نزدیک چین ایشیائی اور زرد قوم ہے لہٰذا قابلِ نفرت، روس گوری قوم ہے لہٰذا اشتراکیت کے دعوے کے باوجود قابلِ قبول۔ امریکہ رنگ و نسب کو وجہ اشتراکیت بنا کر روس کو اپنی طرف مائل کئے جا رہا ہے اور اسی تناسب سے روس سے بے فکر ہو کر غیظ و غضب کے لاوے کا رُخ چین کی طرف چلا جا رہا ہے۔ امریکہ بھارت جیسے کالے ملک کو بھی قابلِ نفرت ہی سمجھتا مگر گورے آریاؤں نے اس کالی مٹی میں برہمنی ذہنیت کے جو گل کھلائے ہیں وہ امریکہ کے ہاتھ میں پہنچ کر سرخ کے مقابلہ میں تازہ تر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

دنیا کا نقشہ دیکھا جائے تو مکرینِ رنگ و نسب کامیاب نظر آئیں گے۔۔۔ ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی، سمندر ان کے، جہاز ان کے، لیکن وہ تقدیر کا بہانہ، بھتور، اس کی گرہ کھولنا ان کے بس کی بات نہیں۔ جب مکر اپنی بازی جیتتا دکھائی دیتا ہے تو اس سے پہلے مشیت اسے مات دینے کے لئے خاموشی اور صفائی سے اپنی چال چل چکی ہوتی ہے۔ رنگ و نسب کا جو جہنم امریکہ ہمارے گھروں میں بھڑکانے لگ گیا ہے وہی جہنم اس کے اعماقِ قلب سے ابھر کر پورے امریکی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لئے چلا جا رہا ہے۔ مشیت نے یہ انتظام صدیوں پہلے کر دیا تھا، جب انسان اور انسانیت کے سوداگر سفید فامانِ یورپ علم و ہنر کی روشنی لے افریقہ کی تاریکی میں پہنچے تو انہوں نے غلام شکار و گرفتار کئے اور انہیں ڈھور ڈنگروں کی طرح امریکہ لے گئے۔ ان کالے غلاموں کے خون پسینے سے گورے آقاؤں نے جو نئی دنیا آباد کی اس میں دستِ دولت آفریں محتاج اور تہی رہا۔ کالوں نے کمایا اور گوروں نے کھایا اور اڑایا۔ اس طرح دو دنیائیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ ایک طرف امارت اور انتہا کی امارت اور دوسری طرف غربت اور انتہا کی غربت۔ ایک گوری دنیا، دوسری کالی دنیا۔ یہ امریکہ کا دن، وہ امریکہ کی رات۔ دن ایسا

کراۃ میں داخل نہیں ہوتا، اور رات ایسی کہ دن میں داخل نہیں ہوتی۔ دو متضاد و متحارب دنیائیں۔ تضاد اور تحارب
کا یہ عالم کہ نوبت خانہ جنگی تک پہنچ گئی ہے اور امریکہ کی تقسیم بھی محفلوں کا موضوعِ گفتگو نہیں، عام اجتماعات کا محورِ
بحث بننے لگی ہے۔ دیکھا جائے تو سفید امریکہ اور سیاہ امریکہ باشندگانِ امریکہ کے دلوں میں قائم اور آباد ہیں، کہی
سیاسی طور پر اس کی حد بندی کی ہے۔ یوں امریکہ کا ضمیر اس جنگ کی رزمگاہ بن گیا ہے جس کا محاذ وہ عالمی طور
پر تیار کئے جا رہا ہے۔ اس جنگ کی شدت میں جس طرح دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا
ہے کہ مشیت امریکہ کا سینہ چیر کر تیزی سے اس کے دل کی تمام کدورت دھو ڈالنے میں لگی ہوئی ہے۔

مشیت جو کچھ امریکہ کے اندر کر رہی ہے وہی کچھ اس محاذ پر کرنے میں لگی ہوئی ہے جسے رنگ و نسب کے
مغربی اور ورن آشرم کے آریائی تصور نے دو آتشہ کر رکھا ہے۔ یہ محاذ جہاں رنگ اور ورن کے دو تیز دھاروں کا
سنگم بن گیا ہے وہاں ان دو تحریکات کا مرجع بھی بن رہا ہے جو اصل اور مزاج کے مطابق ان دھاروں کو بے رنگ
کرنے کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ ایک تحریک اشتراکیت کی ہے اور دوسری اسلام کی۔ نظم سیاسی اور عالمی تحریک
کے طور پر اشتراکیت اسی صدی میں پیدا ہوئی۔ اس دوگونہ حیثیت سے ادھر اشتراکیت نمودار ہوئی اُدھر اسلام
نے پہلو بدلا۔ ایک کا تجربہ روس میں ہوا، دوسری کا ترکی میں ——— اور تقریباً بیک وقت۔ دونوں تحریکیں اپنے
اپنے طور پر پٹڑی سے اتریں اور دونوں ہی کی سمت ربع صدی کے اندر اندر اور تقریباً بیک وقت بدل گئی ———
اشتراکیت چین میں پہنچ گئی اور اسلام پاکستان میں۔ ورن آشرم کے مظہر بھارت اور اسلام کے مظہر پاکستان
میں بارہ سال سے کشمکش جاری ہے۔ اب اس کے تقاضے ایسے بے پناہ ہو گئے ہیں کہ رنگ اور ورن کی عالمی
جنگ میں اسلام یعنی پاکستان ایک فریق کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اپنی اپنی ذہنیت کی وجہ سے امریکہ اور بھارت
دونوں نے روس کی آمد کا راستہ پوری طرح کھول دیا اور اسے بھی ایک واضح فریق بنا لیا ہے۔ روس بظاہر بھارت
کا ہمدرد ہے اور امریکہ سے تعاون کر رہا ہے لیکن اس کے آنے سے اشتراکیت کو فروغ ملے گا، اور جوں جوں اشتراکیت
کو فروغ ملے گا چین اس محاذ میں دخیل ہوتا جائے گا۔ یہ عنصر ان امیدوں پہ پانی پھیرتا جائے گا جو روس کے آنے
پالانے سے بھارت اور امریکہ کے دل میں مچل رہی ہیں۔ چینی اشتراکیت (اب تک کم از کم) رنگین نہیں۔ اسکا مزاج
عالمی ہے قومی اور بین الاقوامی نہیں۔ اس پیمانے کا بھارتی اور امریکی رنگ صاف کرنے اور اس کی مٹے کو بے دُردو
صاف بنانے کے لئے اشتراکیت کی کمی اسلام پوری کرے گا۔ اسلام اور اشتراکیت کا یہ تعاون ایک دوسرے پہ
اپنا اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہے گا، اور یہ تصور کرنا زیادہ دشوار نہیں کہ اس طرح ایک تازہ دم قوت ابھرے گی جو انسانیت
کے ظاہر اور باطن کو رنگ اور ورن کی غلاظت سے پاک اور صاف کر دے گی۔ اسلام اور پاکستان کا کردار
اس معرکۂ روح و بدن کے عالمی معرکے میں فیصلہ کن ہوگا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ امریکہ کے سیاہ فام اسلام

قبول کر کے اخلاق اور کردار کے ایسے مجسمے بننے جا رہے ہیں جس کا تصور بھی امریکی معاشرے میں ممکن نہیں — موجودہ رجحانات کے مطالعہ اور ان سے پرورش پانے والے ممکن مستقبل کے تصور سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور بھارت کی قدریں کھل سکے رہے گی اور انسانیت کی رگوں میں بالآخر صالح خون دوڑنے پھرنے لگے گا لیکن، ان نتائج کے مرتب ہونے تک انسانیت پر کیا کیا قیامت گزر چکی ہوگی؟ اس کا اندازہ ان مہیب تیاریوں سے کیا جا سکتا ہے جو امریکہ بر و بحر و خلا میں دیوانہ وار کئے چلا جا رہا ہے، اور جن کا جائزہ ان صفحات میں پہلے لیا جا چکا ہے۔ امریکہ آج زبانِ حال سے پکار رہا ہے — لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ — اور مشیت اس کے جواب میں صاف الفاظ میں وہی سنا رہی ہے — لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ!

مسلمانوں کی تاریخ

کے متعلق تو آپ نے بہت سی کتابیں دیکھی ہوں گی، لیکن خود اسلام کی تاریخ کیا ہے؟ یہ شروع میں کیا تھا، پھر راستے میں اس پر کیا گزری، اس میں کس کس قسم کی آمیزش ہوتی۔ اور بالآخر وہ کیا سے کیا بن گیا؟ — اس قسم کی کتاب شاید آپ کی نظروں سے نہ گزری ہو — مصر کے نامور مؤرخ

علامہ احمد امین

نے اس موضوع کو اپنی تحقیق کا مرکز قرار دیا۔ اور ایک سلسلہ کتب شائع کیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی

فجر الاسلام

ہے۔ ادارہ طلوعِ اسلام نے اس کا نہایت شگفتہ اردو ترجمہ دو حصوں میں شائع کیا ہے۔ پہلے حصہ میں زمانہ قبل از اسلام سے لیکر عہد عباسیہ تک کے احوال و کوائف ہیں اور حصہ دوم میں اس سے ملتے زمانے کے حالات۔ — بڑی معلومات افزا اور حقیقت کشا کتاب ہے۔

قیمت ہر حصہ۔ چار روپے — جلد فرمائش بھیجئے!

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام بی/۲۵ گلبرگ۔ لاہور

ابو شہاب رفیع اللہ قسط (۲)

منکرین حدیث کون ہیں؟

(۱۱) شادی سے پہلے منسوبہ کو دیکھنا

آج اگر کوئی خاندان اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ منسوبہ کو شادی سے پہلے دیکھ لیا جائے تو فوراً یہ فتویٰ صادر فرما دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی نظروں سے اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں گزری

وعن مغیرۃ ابن شعبۃ انہ خطب امرأۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انظر الیہا فانہ احریٰ ان یؤدم بینکما۔ رواہ الخمسۃ الا ابا داؤد [۱]

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اس باب میں پوری پانچ احادیث نقل کی ہیں۔ ان احادیث پر عمل کرنے والوں کو آج یہ طعنے دیئے جاتے ہیں کہ وہ ایسا مغربی تہذیب کی بھونڈی نقالی میں کر رہے ہیں۔

(۱۲) ولی کے بغیر نکاح

اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ حکم پایا جاتا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے*

عن ابی موسیٰ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی [۲] (ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔

دوسری روایات میں یہاں تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہے [۳]۔ ان دوسری احادیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ اجازت صرف کنواری لڑکی سے ضروری ہے۔ بیوہ یا مطلقہ کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔ احادیث میں اس مسئلہ کی اتنی وضاحت بیان ہوئی ہے کہ یہ ان معدودے چند مسائل سے ہے جن پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اکثر فقہا امت کا مسلک ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وقد ذہب الی ہذا علی وعمر وابن عباس وابن عمر وابن مسعود وابو ہریرۃ وعائشۃ والحسن البصری وابن المسیب وابن شبرمۃ وابن ابی لیلی والعترۃ واحمد واسحٰق والشافعی وجمہور اہل العلم فقالوا لا یصح العقد بدون ولی قال ابن المنذر انہ لا یعرف عن احد من الصحابۃ خلاف ذالک [۴]

---

* قرآن کریم کی رو سے کمسنی میں نکاح نہیں ہو سکتا اور بالغ کے لئے ولی کی ضرورت نہیں بجز اسکے کہ عورت خود ہی کسی کو اپنا مختار کار مقرر کر دے۔ (طلوع اسلام)

[۱] نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۱۱ ۔ [۲] ایضاً صفحہ ۱۲۶ ۔ [۳] ایضاً صفحہ ۱۲۷ ۔ [۴] ایضاً صفحہ ۱۲۵

(ترجمہ) حضرت علی رضؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حسن البصری، ابن المسیب، امام ابن شبرمہ، امام ابن ابی لیلےٰ، ائمہ اہل بیت، امام احمد، امام اسحاق، امام شافعی اور جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے۔ ابن المنذر کا کہنا ہے کہ اس پر اجماع صحابہ ہے۔

لیکن قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ہمارے مولوی صاحبان کا مسلک ان احادیث رسولؐ کے خلاف اور صحابہ کرام کے اجماع اور جمہور فقہاء کے بالکل الٹ ہے۔ اتنی بہت سی سچی احادیث کا انکار کر دینے کے باوجود ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۱۳) مسئلہ کفاءت

ہمارے ہاں شادیوں میں جو ذات پات کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی بنیاد ہمارے علماء کا یہ مسئلہ ہے کہ شادی کے وقت میاں بیوی میں کم از کم چھ امور میں برابری (کفاءت) ضروری ہے۔ (۱) اسلام۔ (۲) حسب نسب۔ (۳) آزادی۔ (۴) پیشہ و حرفہ۔ (۵) دیانت۔ (۶) مال و دولت۔

یہ مسلک نہ صرف قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ احادیث کے بھی واضح طور پر مخالف ہے قرآنی تعلیمات تو کفو کے لئے صرف ایک ہی معیار قرار دیتی ہیں یعنی "تقویٰ"۔ صدر اسلام میں شادیوں میں ایسی کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ اس دور میں مساوات کا ایسا اعلےٰ سبق سکھایا جاتا تھا کہ ہاشمی خاندان کی عورتوں کی شادیاں غلاموں تک سے کر دی گئیں۔ حضرت زید کی شادی کا ذکر قرآن مجید میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سنگین مسئلہ جس نے ہمارے معاشرہ میں ذات پات کا نظام مروج کر دیا ہے، خلافِ قرآن و سنت ہے تو مولوی صاحبان کے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ ان کی طرف سے اس کی تائید میں یہ ضعیف حدیث پیش کی جاتی ہے۔

وعن ابن عمر انہ صلے اللہ علیہ وسلم قال العرب اکفاء بعضہم لبعض قبیلۃ لقبیلۃ وحی لحی ورجل لرجل الا حائک وحجام۔ [۱]

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا اور ایک چھوٹا قبیلہ دوسرے چھوٹے

[۱] نیل الاوطار جلد ۶ - صفحہ ۱۳۷

قبیلے کا، اور ایک مرد دوسرے مرد کا بجز نوربان اور حجام کے۔

علامہ شوکانی اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فِیْ اِسْنَادِہٖ رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ وَهُوَ الرَّاوِیْ لَهٗ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ۔ [1]

(ترجمہ) اس حدیث کا ایک راوی جس نے ابن جریج سے روایت کی ہے، مجہول ہے۔

ابن ابی حاتم نے اس حدیث کے متعلق اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:۔

هٰذَا كَذِبٌ لَا اَصْلَ لَهٗ۔ (ایضاً)

یہ جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں ایسی ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جو اسلامی مساوات کے چہرے تک کو مسخ کر دیں، اور پھر بھی "اہل حدیث" ہونے میں کوئی کمی واقع نہ ہونا۔ ہمارے علماء کی کیسی شان ہے؟

(۱۴) اعلانِ نکاح

ہمارے معاشرے میں کسی شادی کے موقع پر اگر کچھ معمولی سا گانا بجانا بھی ہو تو "دیندار" لوگ اس شادی کا بائیکاٹ کرنا اپنا اسلامی فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا ارشاد یہ ہوتا ہے کہ اسلام میں گانا بجانا مطلقاً حرام ہے۔ اس لئے جس شادی میں یہ حرام چیزیں پائی جائیں گی وہ کیسے اسلامی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر احادیث شریف کو دیکھا جائے تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے، بلکہ بعض مواقع پر اسے ضروری قرار دیا ہے۔ ان بہت سی احادیث میں سے صرف ایک ملاحظہ ہو۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِى النِّكَاحِ۔ رواه الخمسة اِلَّا ابا داؤد۔ [2]

(ترجمہ) محمد بن حاطب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حلال اور حرام نکاح کے درمیان فرق یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر دف بجایا جائے یا گانا گایا جائے۔

اس مضمون کی کئی احادیث ہیں کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ۔ (اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفِّ)۔ امام مالک کا مسلک اسی کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک شادی کے موقع پر دف بجانا

[1] نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۲۷ - [2] ایضاً صفحہ ۱۹۹

لازمی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی اس مسئلہ پر بحث کو یوں ختم کرتے ہیں

وفی ھذا الحدیث اعلان النکاح بالدف والغناء المباح۔ وفیہ اقبال الامام الی العرس وان کان فیہ لھو ما لم یخرج عن حد المباح ۔[1]

(ترجمہ) اس حدیث سے دف اور گانے کے ساتھ نکاح کے اعلان کا جواز ملتا ہے اور جب تک یہ گانا بجانا مباح کی حدود سے نہ گزر جائے اس وقت تک امام کے لئے اس میں شرکت جائز ہے۔

احادیث کے ساتھ یہ سلوک صرف متبعین حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ چاہے تمام احادیث کا انکار کر دیں بھلا انہیں کون پوچھ سکتا ہے۔

(۱۵) تعدد ازواج

تعدد ازواج کے بارے میں آیت فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ (پس تم شادی کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔ دو دو، تین تین، چار چار) کی تفسیر کے بارے میں ائمہ تفسیر کے درمیان اتنا اختلاف ہے کہ انہیں بالآخر یہ فتوے دینا پڑا کہ چار بیویوں کی اجازت حدیث سے ملتی ہے نہ کہ قرآن مجید سے۔ نواب صدیق الحسن خان صاحب تفسیر فتح البیان میں فرماتے ہیں۔

فالاولی ان یستدل علی تحریم الزیادۃ علی الاربع بالسنۃ لا بالقرآن ۔[2]

(ترجمہ) پس اولیٰ یہ ہے کہ چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت کے لئے حدیث سے استدلال کیا جائے نہ کہ قرآن سے۔

اب وہ احادیث ملاحظہ ہوں جن میں یہ احکام ملتے ہیں۔ ان میں ایک حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ قیس بن حارث کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے ان میں سے صرف چار بیویاں رکھ لینے اور لقیہ کو طلاق دے دینے کا حکم دیا تھا۔ علامہ شوکانی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدیث قیس بن الحارث وفی روایۃ الحارث بن قیس فی اسنادہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ وقد ضعفہ غیر واحد من الائمۃ ۔[3]

---

[1] نیل الاوطار۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۰۱　[2] تفسیر فتح البیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۸

[3] نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۵۹

(ترجمہ) قیس بن حارث کی حدیث اور دوسری روایت کے مطابق حارث بن قیس کی حدیث کے ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ ہیں جن کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

یہ تو ہے اس حدیث کی حقیقت جس سے چار شادیوں کا جواز ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ جواز جیسا کچھ بھی ہے، دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت بعض شرائط اور قیود کے ساتھ محدود ہے۔ اس بارے میں ایک اہم حدیث ملاحظہ ہو:

عَنِ المسور بن مخرمة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولُ وهو على المنبر ان بني هشام بن المغيرة استاذنوني ان ينكحوا ابنتهم عليَّ ابن ابي طالب فلا اذنُ ثم لا اذنُ الّا ان يريدُ ابن ابي طالب انْ يطلّقَ ابنتي ويَنكحَ ابنتهم فانّما هي بضعةٌ منّي يُريبُني ما اَرابَها ويؤذيني ما آذاها۔ (بخاری شریف کتاب النکاح جلد دوم)

(ترجمہ) حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو منبر نبوی پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی حضرت علیؓ سے کر دیں۔ پس میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر حضرت علیؓ چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ حضرت فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے۔ جو چیز اسے تکلیف پہنچاتی ہے وہ چیز مجھے بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔ اور جو اسے ایذا دیتی ہے وہ میرے لئے بھی باعث ایذا ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری شرح البخاری جلد ۹ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ مصر) صاحب فتح الباری نے اس حدیث پر جو لمبی چوڑی بحث فرمائی، ان کا خلاصہ وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:۔

وَمحصلُ الجواب انّ فاطمة كانتْ اِذْ ذاك كما تقدّم فاقدةً من تركنُ اليه ممّن يؤنسها ويزيلُ وحشتَها من امٍّ اوْ اختٍ۔ (ایضاً)

(ترجمہ) اور تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ان دنوں حضرت فاطمہؓ کی موانست اور ان کی وحشت دور کرنے کے لئے والدہ یا بہنیں نہیں تھیں۔

اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو دوسری شادی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس حدیث سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ دوسری شادی کے لئے اپنی پہلی بیوی

یا اس کے لواحقین کی ضمانت ہی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انفرادی معاملہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے اجازت نہ دینے کے اس فیصلہ کا اعلان منبر نبوی پر رونق افروز ہو کر کیا تھا۔

آج جب اس حدیث کے عین مطابق تعدد ازدواج پر ایسی ہی پابندیاں لگا دی گئی ہیں تو اس صحیح حدیث کی مخالفت میں ہمارے مولوی حضرات جو شور مچا رہے ہیں اس کی گونج ہر کونے سے سنائی دے رہی ہے۔

(۱۶) نکاح شغار

نکاح شغار سے مراد یہ ہے کہ دو خاندانوں میں لڑکیوں کی شادیاں اس طرح سرانجام دی جائیں کہ ان لڑکیوں کا اپنا کوئی حق مہر نہ ہو بلکہ ان کا مہر ایک دوسرے کا بدلہ ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے نکاح سے واضح الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

عن نافع عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھی عن الشغار و الشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ ابنتہ و لیس بینھما صداق - رواہ الجماعۃ۔ [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا اور نکاحِ شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کی لڑکی کے عوض بیاہ دے اور ان دونوں کا حق مہر کوئی نہ ہو۔

اس واضح فرمانِ نبوی کے خلاف ہمارے ہاں اس قسم اور اس سے ملتی جلتی نکاح کی کئی اقسام ابھی تک رائج ہیں اور ان سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں انہوں نے ہمارے معاشرہ کو ہلا دیا ہے۔

(۱۷) طلاق و خلع

بعض حالات میں ایسی صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ نباہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کی اجازت دی ہے۔ اس مضمون کی احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن رشد طلاق اور خلع کی تعریف ان الفاظ

[1] نیل الاوطار جلد ۶۔ صفحہ ۱۵۰

میں بیان کرتے ہیں۔

جَعَلَ الطلاق بید الرجل اذ أبغض المرأة وجعل الخلع بید المرأة اذا ابغضت الرجل ۔ [1]

(ترجمہ) شریعت نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے جب وہ عورت سے نفرت کرے اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے جب وہ مرد سے نفرت کرے۔

لیکن آج ہم مرد کو تو یہ حق آزادانہ دیتے ہیں اور اگر عورت اس شرعی حق کو استعمال کرنے کی اجازت طلب کرے تو اسے مغربی تہذیب کا مسموم اثر قرار دیا جاتا ہے۔

(۱۸) طلاق بدعت

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دینے کو طلاق بدعت کہتے ہیں۔ یعنی طلاق دینے کا وہ طریقہ جو احادیث رسولؐ کے خلاف ہے۔ چونکہ ہمارے علماء کو بھی یہ حقیقت تسلیم ہے اس لئے اس بارے میں احادیث نقل کرنا تحصیل حاصل ہے۔ مولانا ابوالاعلےٰ مودودی اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو جدا کر دینا نصوص صریحہ کی بنا پر معصیت ہے۔ علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلظہ کے حکم میں۔ لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے طلاق کے لئے مقرر فرمایا ہے۔" [2]

اس برائی کو جو احادیث نبویؐ کے تحت خلاف ہے جب قانوناً ختم کیا گیا تو وہی لوگ جو اس کے متعلق اوپر والے فیصلے دیا کرتے تھے، اسے بحال کرنے کے لئے دوبارہ سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں اور اسے اسلام کی سب سے بڑی خدمت قرار دیتے ہیں۔

(۱۹) بچوں کی تربیت

بچوں کی تربیت کو جو اہمیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہوگا۔

---

[1] ہدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۶۸ ، [2] حقوق الزوجین طبع ہفتم صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵ ۔

أَنَا وَ امْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَوْمَأَ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَانُوا أَوْ مَاتُوا۔ [1]

(ترجمہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بیوہ عورت جو عزت اور حسن رکھنے کے باوجود اپنے بن باپ کے بچوں کی خاطر دوسری شادی سے باز رہے تا آنکہ وہ بچے بڑے ہوجائیں یا مرجائیں اور ان کی خدمت کرتے کرتے اس کے چہرے کا رنگ بدل جائے تو قیامت کے دن میں اور وہ بیوہ عورت اس طرح قریب قریب ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں اور آپ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

پہلے سے موجود بچوں کے لئے شادی سے باز رہنا یقیناً مزید بچوں کو پیدا ہونے سے روکنا ہے اور اگر یہ ایثار و قربانی پہلے سے موجود اولاد کی مناسب تربیت کے لئے کی جائے تو وہ رسول اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے لیکن آج کوئی اس معاملہ کی اہمیت جتا کر خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دے تو اس کے خلاف منظم مہم چلائی جاتی ہے۔

(۲۰) ضبط ولادت

امت مسلمہ کے چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ کے درمیان اکثر مسائل میں اختلاف ہے لیکن اس مسئلہ کے بارے میں احادیث اتنی واضح ہیں کہ ان کو سامنے رکھتے ہوئے چاروں ائمہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم مسائل ایسے ہیں جہاں یہ چاروں ائمہ اتفاق کرتے ہوں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

أَمَّا الْعَزْلُ فَحَرَّمَهُ طَائِفَةٌ لَكِنَّ الْأَئِمَّةَ الْأَرْبَعَةَ عَلَى جَوَازِهِ بِإِذْنِ الْمَرْأَةِ۔ [2]

(ترجمہ) کچھ اہل علم نے عزل کے جواز کو تسلیم نہیں کیا لیکن مذاہب اربعہ کے ائمہ کے نزدیک یہ بیوی کی اجازت سے جائز ہے۔

یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام جہاں محسوس کرتے تھے کہ آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے وہاں وہ لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب دیتے تھے۔ مشہور اسلامی جرنیل عمرو بن العاص نے مصر میں جب یہی محسوس کیا تو آپ نے ان کو یہ خطبہ دیا تھا۔

---

[1] سنن ابو داؤد جلد دوم باب فی فضل من عال الیتامی۔ [2] مختصر الفتاویٰ المصریہ لابن تیمیہ صفحہ ۴۰۲

اباکم و کثرۃ العیال[1] کثرت عیال سے بچو۔

لیکن آج ہمارے مولوی صاحبان اس بارے میں نہ صرف درجنوں احادیث کا انکار کر رہے ہیں بلکہ صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین کی اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اس کی ڈٹ کر مخالفت کر رہے ہیں۔

(۲۱) کثرت امت

ضبط ولادت کے متعلق صحیح اور واضح احادیث کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہیں۔ لیکن ان کی سیاسی مجبوریاں انہیں اس کی مخالفت پر اکساتی ہیں تو وہ کچھ غیر متعلق احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ضبط ولادت کی مخالفت میں چند ایسی احادیث پیش کی جاتی ہیں جنکا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کثرت امت چاہتے تھے تاکہ وہ قیامت کے دن دوسری قوموں پر فخر کرسکیں۔ یہ حدیثیں تمام کی تمام ضعیف ہیں لیکن چونکہ انہیں اکثر ضبط ولادت کی مخالفت میں پیش کیا جاتا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان تمام احادیث اور ان کے بارے میں ائمہ حدیث کے فیصلے کو نقل کردیں تاکہ عامۃ الناس کو زیادہ دیر تک دین کے نام پر بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث کی مشہور و مقبول چھ کتابوں یعنی صحاح ستہ میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نہیں ملتی۔ یہ دوسرے درجہ کی حدیث کی کتابوں میں، جو غیر معروف ہیں، ملتی ہیں۔ اب ان کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

عن ابن عمر عند الدیلمی فی مسند فردوس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجوا تستغنوا، و سافروا تصحوا، و تناکحوا تکثروا فانی اُباھی بکم الامم۔[2]

(ترجمہ) مسند فردوس (حدیث کی غیر معروف کتاب) میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حج کرو غنی ہوجاؤ گے۔ سفر کرو صحت مند ہو جاؤ گے اور نکاح کرو تو زیادہ ہوجاؤ گے۔ پس میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا۔

اس ضعیف حدیث کے متعلق ائمہ حدیث کا فیصلہ بھی سن لیجیے۔

وفی اسنادہ محمد بن الحرث عن محمد بن عبد الرحمٰن السلیمانی وھما ضعیفان[3]

(ترجمہ) اس حدیث کی اسناد میں محمد بن الحرث نے محمد بن عبدالرحمٰن السلیمانی سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں کے دونوں ضعیف ہیں۔

---

[1] فتوح مصر صفحہ ۱۳۹ - والنجوم الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۷۷، [2] نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۰۰، [3] ایضاً

علامہ شوکانی نے اسی موضوع کی تمام کی تمام احادیث جو تعداد میں پانچ ہیں حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت حرملہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عیاض بن غنم کی روایات سے نقل کیا ہے، (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) اور ان کے نیچے ائمہ حدیث کے فیصلے بھی نقل کرتے گئے ہیں کہ یہ سب کی سب احادیث ضعیف ہیں۔ ضبطِ ولادت کی مخالفت کرنے والے علماء کو اکثر میں نے چیلنج کیا کہ وہ حدیث کی کسی مشہور کتاب یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن، ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث دکھادیں لیکن انہیں کوئی کامیابی نہ ہوسکی۔ دیکھئے کس طرح ان حضرات کی سیاسی مجبوریوں نے انہیں صحیح احادیث کے انکار اور جھوٹی احادیث کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ حضرات علی الاعلان یہ خلاف ورزی کر رہے ہیں اور پھر اپنے آپ کو محبِ حدیث بھی کہتے جا رہے ہیں۔

(۲۲) مخابرہ

مخابرہ کی تعریف شاہ ولی اللہؒ نے یہ بیان فرمائی ہے:-

اَلْمُخَابَرَةُ اَنْ تَكُوْنَ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَ الْبَقَرُ وَ الْعَمَلُ مِنَ الْآخَرِ۔[1]

(ترجمہ) مخابرہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص کی صرف زمین ہو اور دوسرے کی طرف سے ہل چلانے والے جانور، بیج اور محنت ہو۔

ہمارے ملک میں زمین کی کاشتکاری زیادہ تر اسی اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ اس معاملہ کے متعلق کئی احادیث ہیں جن میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن جابر ابن عبد اللہ قال سمعتُ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ من لم یذر المُخَابَرَةَ فلیأذَنْ بِحربٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔[2]

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص مخابرہ کا معاملہ، یعنی زمین کی بٹائی چھوڑنے پر تیار نہ ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کرنے پر تیار ہو جائے۔

(۲) عن زید بن ثابت قال نھی رسولُ اللّٰہِ صلے اللہ علیہ وسلم عن المُخَابَرَةِ قلتُ وما المخابرةُ ؟ قال ان تاخُذَ الْاَرْضَ بِنصفٍ ثلثٍ او رُبعٍ۔[3]

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۳۔ [2] ابوداؤد، مصری جلد دوم صفحہ ۲۳۵۔ [3] ایضاً

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا۔ میں نے سوال کیا کہ مخابرہ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ نصف، یا تہائی یا چوتھائی کی بٹائی پر زمین کی کاشت کرنا۔

ملاحظہ ہو کہ ایک طرف احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسا معاملہ کرنے والوں کے لئے اسی سزا کا اعلان کر رہی ہے جو سود کے کاروبار والوں کے لئے قرآن حکیم نے مقرر کی ہے اور دوسری طرف دوسروں کو منکرین حدیث کا طعنہ دینے والے حضرات اس سود کو جائز ثابت کرنے کے لئے کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔

(۲۳) مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ

سود کی حرمت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اس بارے میں بالکل ہی عجیب و غریب طرز عمل اختیار کیا گیا ہے یعنی جن چیزوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے سود قرار دے گئے ہیں، صحابہ کرام اور سلف صالحین بھی اسے سود ہی سمجھتے رہے، آج ہمارے علماء اسے بالاتفاق جائز قرار دے رہے ہیں۔ مخابرہ کے معاملہ کی تفصیل آپ کی نظروں سے گزر چکی ہے۔ اب ایک اور ویسا ہی مسئلہ ملاحظہ ہو۔ اور یہ مسئلہ ہے مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جن ائمہ کی تقلید کا ہم دم بھرتے ہیں وہ بھی اس معاملہ کو سود ہی قرار دیتے ہیں۔ حدیث شریف اور اس کے ساتھ ہی ائمہ احناف کا فتوےٰ ملاحظہ ہو۔

وکرہ اجارتھا ایضاً لقولہٖ علیہ السلام من اٰجر ارض مکۃ فکانما اکل الربٰوا۔ [1]

ترجمہ: (مکہ شریف کے مکانوں کا) کرایہ لینا ناپسندیدہ امر ہے۔ اس فرمان نبوی کے مطابق کہ جس نے ان کا کرایہ وصول کیا اس نے گویا سود کھایا۔

اس کے حاشیہ پر یہ حدیث بھی دی گئی ہے:

روی ابن ابی شیبۃ فی مُصنّفہٖ عن مجاھدٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ حرامٌ حرّمھا اللّٰہ لا یحلّ بیعُ رباعھا واجارۃُ بیوتھا۔ (ایضاً)

(ترجمہ) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں مجاہد سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ شریف حرمت والی جگہ ہے۔ اس کے مکانوں کا بیچنا یا ان کا کرایہ

---

[1] ہدایہ اخیرین کتاب الکراھیۃ صفحہ ۴۷۳

وصول کرنا حرام ہے۔

لیکن آج دنیا میں سب سے زیادہ اسی قسم کے سود کے کاروبار سے جو کمی آتی ہے وہ بنکاری کے لئے کئے جاتے ہیں اور ہمارے علماء جنہوں نے سود کے چور دروازے بند کرنے کے لئے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں اس سود کی طرف بھول کر ایک اشارہ تک بھی نہیں کرتے۔

(۴۲) ربٰوا الفضل

سود کی تیسری قسم جسے احادیث رسول میں غیر مبہم الفاظ میں سود کا نام دیا گیا ہے وہ ربٰوا الفضل ہے۔ ان تمام احادیث کا کم و بیش ایک ہی مضمون ہے۔ یعنی

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا۔ [1]

سونے یعنی دیناروں کا تبادلہ برابر برابر وزن کے مقابلے اور دست بدست ہونا چاہیئے۔ (اور اگر ایسا نہ ہو) بلکہ کچھ زیادہ لیا دیا جائے تو یہ سود ہے۔

دوسری روایات میں چاندی کے الفاظ ہیں جن سے مراد درہم کے سکے ہیں۔

اس سود کی تشریح مولانا مودودی صاحب کی زبانی سنیئے:-

"قدیم زمانے میں تمام سکے خالص چاندی سونے کے ہوتے تھے اور انکی قیمت دراصل ان کی چاندی اور ان کے سونے کی ہوتی تھی۔ اس زمانے میں درہم کو درہم سے اور دینار کو دینار سے بدلنے کی ضرورت ایسے مواقع پر پیش آتی جبکہ مثلاً کسی شخص کو عراقی درہم کے عوض رومی درہم درکار ہوتے یا رومی دینار کے بدلے ایرانی دینار کی حاجت ہوتی۔ ایسی ضرورتوں کے مواقع پر یہودی ساہوکار اور دوسرے ناجائز نفع کمانے والے کچھ لوگ اس طرح کا ناجائز منافع وصول کرتے تھے جیسا کہ موجودہ زمانے میں بیرونی سکوں کے مبادلہ پر بٹا دن لی جاتی ہے یا اندرون ملک میں روپیہ کی ریزگاری مانگنے والوں یا دس اور پانچ کا نوٹ بھنانے والوں سے کچھ پیسے یا آنے وصول کر لئے جاتے ہیں۔ یہ چیز بھی چونکہ سود خوارانہ ذہنیت کی طرف لے جانیوالی ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ نہ تو اس چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے سے کمی بیشی سے جائز ہے اور نہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا درست ہے" [2]

جدید زمانہ کی اصطلاح میں اس کاروبار یعنی ربٰوا الفضل کو زر مبادلہ کا ناجائز کاروبار کہا جاتا ہے۔ یہ ناجائز کاروبار اگرچہ دنیا کے ہر حصے میں ہوتا ہے لیکن جس وسیع پیمانے پر حج کے موقع پر ہوتا ہے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن کسی اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نہیں بخشی کہ وہ اس خلاف حدیث عمل کے خلاف آواز اٹھائے۔

(باقی آئندہ)

---

[1] ہدایہ اخیرین کتاب الصرف۔ صفحہ ۹۴۔ [2] سود جدید ایڈیشن صفحہ ۱۵۶

حقائق و عبر

۱۔ تاریخ کیسے بنتی ہے؟

گذشتہ یومِ اقبال کے لگ بھگ ہندوستان کے ایک ہندو اخبار میں علامہ اقبالؒ کی زندگی سے متعلق ایک واقعہ شائع ہوا جو بڑا ہی گھناؤنا تھا۔ لیکن اس نے وہ واقعہ خود وضع نہیں کیا تھا، پاکستان کے ایک صاحبِ قلم ۔ آغا شورش کاشمیری ۔ کی کتاب "نورتن" سے نقل کیا تھا۔ "نورتن" میں وہ واقعہ (عبدالمجید سالک مرحوم کے حوالہ سے) درج تھا اور اس میں "علامہ اقبالؒ کے علاوہ" علامہ گرامی بھی ملوث تھے۔ اس پر یہاں اخبارات اور پبلک دونوں میں "نورتن" کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ اس پر آغا شورش کاشمیری صاحب کی طرف سے نوائے وقت (لاہور) کی ۸ مئی کی اشاعت میں حسبِ ذیل وضاحت شائع ہوئی ہے۔

> کئی سال پہلے "چٹان" میں بعض اخبار نویسوں کے میں نے قلمی خاکے لکھے تھے۔ یہ طویل خاکے چار سال پہلے "نورتن" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ عبدالمجید سالک کے خاکہ میں "انہی کی زبانی علامہ اقبالؒ" سے منسوب ایک روایت درج ہوئی ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ سالک صاحب کی روایت "ذکرِ اقبال" کی اور روایتوں کی طرح "من گھڑت" ہے۔ علامہ اقبالؒ میرے ذہنی پیشوا ہیں مجھے اس روایت کے اندراج پر دلی افسوس ہے اور اس کو اپنی کتاب سے خارج کر رہا ہوں۔
>
> (شورش کاشمیری)

ہمارا نہ سالک مرحوم سے کوئی ذاتی تعلق ہے نہ آغا شورش کاشمیری سے۔ اور نہ ہی علامہ اقبالؒ سے ذاتی تعلق ۔ ان سے ہمارا تعلق فکری ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ہم ایک اصولی سوال سامنے لانا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ ابھی کل تک ہم میں موجود تھے، اور ملک میں ابھی سینکڑوں، ہزاروں افراد زندہ موجود ہیں جو تمام عمر نہیں تو عمر کے کافی حصہ تک ان کے قریب رہے ہیں۔ ان (علامہ اقبالؒ) کے سوانحِ حیات (ذکرِ اقبال) ایک ایسے صاحب (سالک مرحوم) قلمبند

کرکے شائع کرتے ہیں جنہیں عرصہ دراز تک اُن کے قریب ترین بیٹھنے کا دعویٰ تھا۔ اور اس کے متعلق، اب آغا شورش صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں مندرج روایات من گھڑت ہیں۔

انہی شورش صاحب نے، انہی سالک صاحب سے علامہ اقبال کے متعلق ایک بات سُنی جو بالبداہت بڑی حقارت خیز اور نفرت زا تھی۔ اور ان کے "ذہنی پیشوا" کی بڑی مکروہ سی تصویر پیش کرتی تھی۔ اول تو انہیں اس قسم کی روایت کو ویسے ہی اپنی کتاب میں درج نہیں کرنا چاہیئے تھا، اور اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آگئی تھی تو اس کے صدق و کذب کے متعلق تحقیق کر لینی چاہیئے تھی۔ انہوں نے اسے اپنی کتاب میں بلا تحقیق درج کر دیا۔ وہ کتاب چار برس تک ملک بھر میں نشر ہوئی، معلوم کتنے افراد نے اسے پڑھا اور علامہ اقبال رح کے متعلق وہ تأثر لیا جو اس روایت سے مرتب ہوتا تھا۔ اس دوران میں بھی صاحب کتاب (شورش صاحب) کو کبھی اس کا خیال نہ آیا کہ اس کے متعلق تحقیق کر لی جائے۔ اب جو اس کے خلاف (اتفاق سے) ہنگامہ ہوا تو انہوں نے اس راز کی پردہ کشائی کی کہ سالک مرحوم کی بیان کردہ نہ صرف یہی روایت من گھڑت ہے بلکہ انہوں نے "ذکر اقبال" میں جو روایات درج کی ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یہ ہے ہمارے ہاں کے اربابِ قلم کی ذمہ داری کی حالت!

اور یہ تو سالک مرحوم کی ایک کتاب، اور شورش صاحب کی کتاب کی ایک روایت کی کیفیت ہے۔ علامہ اقبال رح پر اس وقت تک سینکڑوں کتابیں لکھی اور شائع ہو چکی ہیں۔ کیا معلوم کہ ان میں جو کچھ اُن کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس میں کہاں تک صداقت ہے؟ اور یہی وہ کتابیں ہیں جو علامہ اقبال رح کے سلسلہ میں بعد میں آنے والے مؤرخین کے لئے مآخذ قرار پائیں گی اور ان کے قابلِ اعتماد ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوگی کہ یہ اقبال رح کے ہمعصروں کے نوشتے ہیں۔

اسی ضمن میں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ ملک میں اقبال کے نام سے کئی ادارے قائم ہیں جنہیں حکومت کی طرف سے لاکھوں روپے سالانہ کی گرانٹ ملتی ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اقبال کے متعلق "ریسرچ" کرتے ہیں۔ ہم ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ چیز "ریسرچ" میں شامل نہیں کہ اقبال کے متعلق جو کتابیں شائع ہوں ان کی چھان پھٹک کی جائے، اور ان میں جو کچھ اقبال کی زندگی یا ان کے فکر و پیغام کے خلاف ہو اس کی تردید اور تصحیح کی جائے۔

اور ان سے یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کا فریضہ اتنا ہی ہے کہ سال کے بعد اقبال کا ایک (ماڈرن انداز کا) عرس منا دیا جائے؟ کیا ان سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اقبال کے سوانح حیات سے متعلق ایک مستند کتاب شائع کی جائے، جس کا مرکزی موضوع فکرِ اقبال سے متعلق کوائف و حوادث ہوں، نہ کہ ان کی پرائیویٹ لائف سے تعلق۔ یاد رکھیئے۔ دنیا کے نزدیک اقبال کی اہمیت ان کی فکر کی وجہ سے ہے، نہ اس وجہ سے کہ وہ بچپن میں

کبوتر اڑایا کرتے تھے، اور چائے نمکین پیتے تھے۔ یہ ان کہانیوں کی بنا پر جو "روزگار فقیر" قسم کی تالیفات میں "علامہ کے اعزہ کی زبانی درج ہوتی ہیں۔

جہاں تک ان کی ابتدائی زندگی کی بعض لاابالیوں کا تعلق ہے اس کا اعتراف انہوں نے اپنی سب سے پہلی تصنیف "اسرار و رموز" میں خود کیا ہے۔ اور اعتراف بھی کیا ہے اس ذاتِ گرامی کے حضور جن کا احترام انکا جزو ایمان اور منتہائے عشق تھا۔ فکرِ اقبال سے متعلقین کو اس سے زیادہ تجسس کی کیا ضرورت ہے۔

ہم اتنا لکھ چکے تھے کہ مرحوم سالک صاحب کے فرزند عبد السلام خورشید صاحب کا ایک مراسلہ نوائے وقت کی ۱۰ مئی کی اشاعت میں سامنے آیا۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ آغا شورش نے جس روایت کو ان کے والد کی طرف منسوب کیا ہے، وہ انہوں نے کبھی بیان نہیں کی۔ اس لئے کہ جس زمانے کا وہ واقعہ بتایا جاتا ہے اس وقت سالک مرحوم "کی عمر دس برس کی تھی اور وہ بٹالہ کے ایک اسکول میں پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے"۔ اور جہاں تک مرحوم گرامی صاحب کا تعلق ہے، وہ "ان دنوں حیدرآباد دکن میں مقیم تھے"۔ لہٰذا "اس روایت کو شورش صاحب نے خود ہی تراشا ہے"۔

آپ نے دیکھا کہ تاریخ کیسے بنتی ہے؟

---(۰)---

۲۔ ہر قسم کا حربہ جائز ہے

جماعت اسلامی کے ترجمان، ہفتہ وار ایشیا کی ۲۸ اپریل ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ لکھ میں کارکنانِ جماعت اسلامی کے اجتماع میں ایک صاحب نے مودودی صاحب سے سوال کیا کہ

ہمارے ہاں ایسے قوانین پائے جاتے ہیں جو صریحاً خلافِ شریعت ہیں۔ کیا ایسے قوانین کی اطاعت "طاغوت" کی اطاعت نہیں؟

سوال بڑا براہِ راست (DIRECT) تھا اور اس کے براہِ راست جواب کا (اُس مجمع میں، اور اس کے باہر اور لوگوں کو بھی) شدت سے انتظار ہوگا۔ لیکن اس کے جواب میں مولانا صاحب نے فرمایا۔

ایک شخص کے شعور کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک گندے پانی کے تالاب میں پاتا ہے وہ اس تالاب سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو اسے لامحالہ اسی گندے پانی میں ہاتھ پاؤں مارنا ہوں گے۔ اب اگر وہ یہ شرط لگا دے کہ پانی پاکیزہ ہوگا تو ہاتھ پاؤں ماروں گا، ورنہ

نہیں تو وہ اس گندگی سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔

اسی طرح اگر ایک شخص یہ شرط لگا دے کہ اس نظام کو تبدیل کرنے کے لئے وہ صرف خالص اسلامی قوانین ہی سے کام لے گا تو وہ تبدیلی کا یہ کام کر ہی نہیں سکتا۔

پہلے تو آپ یہ دیکھئے کہ کیا یہ اُس سوال کا جواب ہے جو مستفسر نے ان سے پوچھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ صاحب، اصل سوال کو کس طرح گول کر گئے ہیں۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ دیکھئے کہ ان صاحب کے نزدیک غیر اسلامی نظام کو بدلنے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس میں خالص اسلامی قوانین ہی سے کام لیا جائے۔ اس کے لئے غیر اسلامی طریقوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔

یہ ہے جماعتِ اسلامی' اور اقامتِ دین کے مدعی صالحین کی سیاست! فرمائیے' اس میں اور یورپ کی میکیاولی سیاست میں کوئی فرق ہے؟

اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

> حضورؐ مکے میں تشریف رکھتے تھے' تو آپ کے پیش و گرد میں تمام نظام جاہلی تھا، وہاں اسلام کے قوانین نہیں تھے۔ لیکن آپ نے اسی ماحول میں رہ کر اس کی تبدیلی کی سعی کی۔ اسی طرح عہدِ سابق میں کئی انبیاء علیہم السلام کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر اسلامی ماحول میں رہتے ہوئے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس بنا پر اپنے کاموں کو نہیں چھوڑا کہ وہ غیر اسلامی کیوں ہے؟ حتیٰ کہ بعض انبیاء ایسے تھے کہ ان کی اپنی بیویاں مشرف بہ اسلام نہ ہوئی تھیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام۔ لیکن ان کے کفر کے سبب' ان انبیاء کے کام اور مقام پر کوئی حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضورؐ نبی اکرم اور دیگر انبیاء کرام ؑ نے اس غیر اسلامی ماحول کو بدلنے کے لئے' غیر اسلامی قوانین سے کام لیا تھا؟

یہ ہے وہ پورا جواب (سیاق و سباق سمیت) جسے ان کے معتقدین کے مجمع نے نہایت ارادت مندی سے سنا اور ان کے نقیب ایشیا نے بڑے فخر سے شائع کیا اور ان میں سے کسی کو اتنا پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

لیکن وہ امیر ہی کیا ہوا جو اپنے متبعین میں اتنی جرأت باقی رہنے دے۔

———○———

۴۔ لونڈیاں

مودودی صاحب سے، ان کے درسِ قرآن و حدیث کے بعد، ایک صاحب نے سوال کیا کہ

> لونڈی کے بارے میں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بہانے سے بیس بیس پچیس پچیس عورتیں رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ کیا اس وقت بھی لونڈی اور غلام رکھے جا سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔

> لونڈی صرف وہ عورت ہے جو میدانِ جنگ میں گرفتار ہو کر آئے اور اس کی حکومت اسے چھڑانے کا بندوبست (نہ) کرے۔ تو ایسی صورت میں اسلامی حکومت اسے کسی شخص کی ملکیت میں دیدے گی اور وہ اس سے تمتع کا مجاز ہوگا۔ (بحوالہ ایشیا۔ ۵ مئی ۱۹۶۸ء)

اس سے پہلے مودودی صاحب، اپنی کتاب تفہیمات (حصہ دوم) میں وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ:

(۱) جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتیں سپاہیوں میں تقسیم کر دی جائینگی۔
(۲) وہ انہیں بطور لونڈیاں رکھیں گے اور ان سے بلا نکاح، جنسی تعلق قائم کیا جاسکیگا۔
(۳) لونڈیاں بلا تعداد رکھی جا سکینگی۔
(۴) ان کا مالک جب جی چاہے انہیں کسی دوسرے کے پاس فروخت کر سکیگا۔

یہ ہے اسلام کی وہ تعلیم جسے یہ صاحب دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ان سے پوچھنے کی بات یہ ہے کہ جنگ میں یہ بھی تو ممکن ہے (بلکہ اکثر ہوتا ہے) کہ ہماری عورتیں بھی دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائیں۔ اگر وہ ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کریں تو آپ کو اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟

غور فرمائیے۔ گزشتہ (بھارت، پاکستان کی) جنگ کے بعد، بھارت کے وزیرِ دفاع نے، وہاں کی پارلیمنٹ میں اس کا اعلان کیا تھا کہ

> پاکستان کے کسی سپاہی نے ان کی عورتوں کی طرف بُری نگاہ سے دیکھا تک نہیں تھا۔

یہ کردار تھا ہمارے سپاہیوں کا۔ اور وہ ہے تعلیم جسے یہ "تقدس مآب" اسلام کے نام سے پیش فرماتے ہیں اور قطعاً نہیں شرماتے کہ وہ ایسا کرنے سے اسلام پر کس قدر انسانیت سوز بہتان باندھ رہے ہیں۔ جنگ کے قیدیوں کے متعلق قرآن کریم کا واضح فیصلہ ہے کہ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً۔ (۴۷/۴)۔ انہیں یا تو اپنے قیدیوں کے تبادلہ میں (یا زرِ فدیہ لے کر) چھوڑ دینا ہوگا۔ اور یا بطور احسان رہا کر دینا ہوگا۔ اور اس دوران میں وہ ہمارے قیدی ہوں گے جن سے نہایت شریفانہ سلوک کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق جو

احکام آئے ہیں وہ ان کے متعلق ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے معاشرہ میں موجود تھے۔ انہیں اسلام نے رفتہ رفتہ معاشرہ میں جذب کر لیا اور آئندہ کے لئے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔ (بعد میں جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار مسلمان سلاطین ہیں، نہ کہ اسلام۔ مودودی صاحب، انہی سلاطین کی روش کو اسلام کے نام سے پیش کر رہے ہیں)۔

۴۔ انسانی فطرت

اس درس میں، مودودی صاحب سے ایک سوال یہ بھی پوچھا گیا کہ

جب انسان کی فطرت میں چھچھورا پن ہے تو وہ سلیم الطبع کیسے ہو سکتا ہے۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ:

انسان کے اندر چھچھورا پن تو کم و بیش موجود ہوتا ہے یہ منجملہ انہی اوصاف کے ہے جو اس کی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ انسان سے انہی عادات و خصائل کا اظہار ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں پوشیدہ ہیں۔ اب انسان کی آزمائش دراصل اس بات میں ہے کہ وہ اپنے فطری اوصاف میں سے کن اوصاف کو ابھارے اور کن اوصاف کی حوصلہ شکنی کرے۔ اپنے اندر بھلائیاں پرورش کرنے کا جو طریقہ اللہ کی شریعت نے بتایا ہے اگر اس کے مطابق انسان چلتا ہے تو اس کے نفس کی خرابیاں کم ہوتی جائیں گی اور اس کے اندر اعلیٰ صفات تقویت پکڑ لیں گی۔

اس جواب کی رو سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی فطرت میں کچھ خراب باتیں بھی ہیں اور ان خرابیوں کی اصلاح دین کی پابندی سے ہو سکتی ہے۔

یہ حضرات ہمیں یہ بھی بتاتے رہتے ہیں کہ:

(۱) اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور

(۲) خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ (معاذ اللہ) خود خدا میں بھی وہ خرابیاں موجود ہیں جو انسانی فطرت میں پائی جاتی ہیں۔ اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ خرابیاں انسان کی فطرت میں ہیں، تو ان کی اصلاح کرنا خلافِ فطرت ہو گا۔ اور اگر اسلام دینِ فطرت ہے تو اس کا فریضہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان خرابیوں کی حفاظت کرے اور انہیں اور جلا دے۔ نہ کہ ان کا استیصال کرے۔

آپ نے غور فرمایا کہ ان حضرات کے تصور کی رو سے اسلام کا کیا نقشہ سامنے آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

انہیں نہ یہ معلوم ہے کہ فطرت کسے کہتے ہیں اور نہ یہ کہ اسلام کیا ہے اور اپنی جہالت کی بنا پر خدا کے دینِ حقہ کو بدنام کرتے رہتے ہیں۔

فطرت، اشیائے کائنات کی ان بنیادی خصوصیات کو کہتے ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے وہ مجبور ہیں اور جنہیں وہ بدل نہیں سکتیں۔ مثلاً آگ کی فطرت ہے کہ وہ جلائے۔ مچھلی کی فطرت ہے کہ وہ پانی میں رہے۔

انسان، اشیائے کائنات کی طرح مجبور نہیں، صاحبِ اختیار ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو صاحبِ اختیار ہو اس کی کوئی فطرت نہیں ہو سکتی۔

انسان کی طبیعی زندگی کے کچھ تقاضے ہیں۔ (مثلاً کھانا پینا، سانس لینا وغیرہ) اور یہ تقاضے وہی ہیں جو دیگر حیوانات کے ہیں۔

لیکن حیوانی زندگی سے اوپر، انسان کی "انسانی زندگی" بھی ہے اور اسی زندگی کی راہ نمائی کے لئے خدا کی طرف سے اقدار اور قوانین عطا ہوتے ہیں۔ انہیں دین کہا جاتا ہے۔ انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی حیوانی زندگی کے تقاضوں کو ان اقدار و قوانین کی حدود کے اندر رہتے ہوتے پورا کرے یا ان حدود و قیود سے بیباک ہو کر حیوانی سطح پر زندگی بسر کرے۔

قرآن نے جہاں کہا ہے کہ انسان کو ایسا پیدا کیا گیا ہے اور ویسا، تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اگر وحی کی راہ نمائی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کے پیچھے لگا رہے تو اس کا نتیجہ اس قسم کا ہوتا ہے۔ لیکن دین چاہتا ہے کہ وہ اپنے تقاضوں کو اس کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے پورا کرے اور اس طرح وہ حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانی سطح پر زندگی بسر کرے۔

اس سے واضح ہے کہ انسان کی کوئی فطرت ہی نہیں (کہ فطرت، مجبور اشیا کی ہوتی ہے) اسکے اندر کچھ طبیعی زندگی کی تقاضے ہیں اور کچھ صلاحیتیں جنہیں یہ جس طرح جی چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ ان کے صحیح استعمال کے لئے وحی کی رُو سے راہ نمائی ملی ہے۔

اور جب انسان کی کوئی فطرت ہی نہیں تو یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے یا خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ (ان امور کی مزید وضاحت کے لئے "سلیم کے نام خطوط" (جلد سوم) یا لغات القرآن میں عنوان "فطر" دیکھئے)۔

۵۔ سیکولر بھارت میں مسلمانوں کی حالت

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے، اپنے اخبار صدق (لکھنؤ) میں، الہ آباد کے ایک مشہور شاعر و افسانہ نگار

کے خط کا ایک اقتباس شائع کیا ہے۔ یہ صاحب اونچے طبقے کے ہندو ہیں۔ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

میں داڑھی رکھتا ہوں اور ویسے بھی چہرہ ترکی چہرہ ہے۔ بالکل اس ترک کی طرح جو ہزاروں سال سے گھس کر اور غریبی بھگت کر چھوٹا پڑ گیا ہو۔ اور گرمیوں میں علی گڑھ پاجامہ اور کرتا بھی پہنتا ہوں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان فرقہ وارانہ فسادات کے زمانہ میں مجھے کیا سمجھا جاتا رہا ہوگا۔ اصلی مسلمان بلکہ مسلمنٹا! ایک دن سات بجے میں کچھ کتابیں اور فائلیں لئے ہوئے پیدل چلا جا رہا تھا کہ اچانک میرے دونوں جانب کچھ لوگ سائیکل سے اترے اور ایک نے چھرا نکال لیا۔ میں نے چلا کر کہا کہ میں ہندو ہوں! بس وہ چلانا کام آگیا اور خوش قسمتی سے میں زندہ ہوں۔ پھر انہوں نے میرے ساتھ یہ مسخراپن کیا۔ مجھے قریب کے ایک نائی کی دکان پر لے گئے اور میری سالوں کی محفوظ داڑھی کٹوا دی۔ انہیں کسی مسلمنٹے پر ہاتھ صاف کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر وہاں کیا بیت رہی ہے؟

اُن کے دکھوں کا علاج صرف اس میں ہے کہ پاکستان زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو جائے۔ اتنا مضبوط کہ ہندوستان کے درندہ صفت ہندو کو، کسی مسلمان (تو ایک طرف، کسی بھی مظلوم انسان) پر ہاتھ اٹھاتے وقت اس کا احساس ہو جائے کہ اس کی اس اینٹ کا جواب پاکستان کی طرف سے پتھر سے ملیگا۔ کمینی ذہنیت رکھنے والوں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

پاکستان کے صف شکن نوجوانو! تم اپنے اس مقدس فریضہ کو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ مظلوموں کی سپر بالآخر تم ہی نے بننا ہے۔

(۰۰۰)

پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم

محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن کریم کا نیا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور اب

یہ درس ـــــ ہر اتوار کو ـــــ صبح ۸½ بجے

۲۵/بی گلبرگ ٹ لاہور میں ہوتا ہے

خواتین کے لئے پردہ کا خاص انتظام ہوگا ـــــ ناظمِ بزمِ طلوعِ اسلام لاہور

بابُ المراسلات

کیا یہ شہادت تھی؟

طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں، محترم عنایت اللہ صاحب کا جو مقالہ ـــ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ـــ کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اور جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ گزشتہ جنگ کے دوران، پاکستانی مجاہدوں نے سخت سے سخت دردناک اذیتیں برداشت کیں لیکن کہیں بھی جھوٹ بول کر اپنی جان نہیں بچائی۔ اس سے ہماری قابلِ فخر پاکستانی افواج کے صاحبِ کردار سپاہیوں نے بڑا خوشگوار اثر لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک حقیقت تھی، جسے عنایت صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ جنگ کے دوران، پاکستانی افواج کا مورال ہی نہیں کیریکٹر بھی بہت بلند رہا تھا ـــ اس ضمن میں ہم سے ایک بات دریافت کی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ جنگ کے سلسلہ میں بعض گوشوں کی طرف سے یہ کہا گیا کہ یہ جنگ محض وطن کی حفاظت کے لئے تھی اسلئے اسے اسلام کی خاطر جنگ قرار دینا اور اس میں جان دینے والوں کو شہید کہنا، زیادتی ہے ـــ ہم سے پوچھا گیا ہے کہ ایسا کہنا کہاں تک درست ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا حقیقت سے بے خبری کی دلیل، اور ایسا کہنا وہ شر پسندی اور ولولہ انگیزی ہے جس سے پناہ مانگنے کی تلقین خدا نے کی ہے۔ (مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۔ ۱۱۴/۴)۔ اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھنا چاہیئے۔ آپ اپنے گاؤں میں ایک خطہ زمین مسجد تعمیر کرنے کے لئے خریدتے ہیں، اور ساتھ والے گاؤں کے ہندو اس زمین پر زبردستی قبضہ کر کے اس پر مندر تعمیر کرنا چاہتے ہیں[1]۔ گاؤں کے مسلمان اس خطۂ زمین کی حفاظت کے لئے باہر نکل آتے ہیں اور اس لڑائی میں

---

[1] اس مثال کو تقسیم ہند سے پہلے کا واقعہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ پاکستان کے اندر اس قسم کا واقعہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک مسلمان قتل ہو جاتا ہے اور بہت سوں کو سخت ضربات آتی ہیں۔ آپ کہیئے کہ اس مقتول کو خدا کی راہ میں جان دینے والا "شہید" اور ان مضروبین کو فی سبیل اللہ مصائب برداشت کرنے والے "غازی" کہا جاتا ہے یا نہیں۔ اور وہ خدا کے ہاں بلند درجات کے مستحق سمجھے جائینگے یا نہیں؟

پاکستان کی سرزمین بے شک ہمارا وطن ہے، اور وطن کی حفاظت بھی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس کی حیثیت وطن سے کہیں زیادہ بلند اور مقدس ہے۔ اس خطۂ زمین کو حاصل اس لئے کیا گیا ہے کہ یہاں اسلامی نظام کا احیاء ہو۔ اس میں حکومت خداوندی کا تخت اجلال بچھے۔ اس میں پھر سے وہ معاشرہ قائم ہو، جسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے، قوانین خداوندی کے مطابق متشکل فرمایا تھا۔ اب آپ فرمائیے کہ اس خطۂ زمین کی حفاظت و استحکام، اسلام کی خدمت اور اس کے تحفظ کے لئے جان دے دینا، خدا کی راہ میں جان دینے کے مرادف ہوگا یا نہیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں مملکت ہنوز اسلامی معیار کے مطابق نہیں لیکن اس مملکت کو حاصل بھی اسلامی بننے کے لئے کیا گیا تھا اور اس کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ خود دستور پاکستان میں اس کا اعتراف و اعلان موجود ہے۔ لہٰذا (سابقہ مثال کے مطابق یوں سمجھئے کہ) اس خطۂ زمین پر ہنوز مسجد تعمیر نہیں ہوئی لیکن اس سے اس خطۂ زمین کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ حضور نبی اکرم کی تیرہ سالہ مکی زندگی ایک اسلامی مملکت کے قیام کے لئے جدوجہد کی زندگی تھی۔ اس میں اسلامی مملکت کا تشکل تو ایک طرف، اس کے لئے کوئی خطۂ زمین بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ بایں ہمہ اس جدوجہد میں جماعت مومنین نے جس قدر قربانیاں دیں، اور تکالیف اٹھائیں، وہ سب خدا کی راہ میں تھیں۔ جنگ بدر، مغربی ذہنیت رکھنے والوں کے نزدیک، صرف وطن کی حفاظت کے لئے سمجھی جاتی ہے لیکن اسلامی نقطۂ نگاہ رکھنے والوں کے نزدیک وہ وطن کی نہیں بلکہ دین کی حفاظت کے لئے تھی۔ اس لئے اس میں جان دینے والوں کی شہادت عظمیٰ میں کسے شبہ ہو سکتا ہے!

ان حقائق کی روشنی میں، سرزمین پاکستان کے تحفظ و استحکام کے لئے حق و صداقت کے مطابق جدوجہد، اسلام کی خدمت ہے، اور اس مقصد کی خاطر جان دے دینا عین شہادت۔ کہ کسی مقصد کے حصول کے ذریعہ کا تحفظ، خود اس مقصد کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری قابل فخر افواج کا وجود ہمارا اسلام کے لئے باعث عافیت اور ان کی سرفروشیاں خدا کی راہ میں شہادت ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْد

۲۔ اسلام کا معاشی نظام

ایک صاحب لکھتے ہیں :-

ہمارے علماء صاحبان ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ انسانیت کی مشکلات کا حل نہ نظامِ سرمایہ داری میں ہے نہ سوشلزم میں۔ اس کا حل اسلام کے معاشی نظام میں ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ کبھی یہ نہیں بتاتے کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا جو نوعِ انسان کی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ آپ کے بتائے ہوئے قرآنی نظام کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اسلام کا معاشی نظام نہ سرمایہ داری ہے نہ اشتراکیت اور نہ ہی وہ قرآن کا بتایا ہوا معاشی نظام ہے تو پھر وہ نظام ہے کیا ؟

طلوعِ اسلام :- محترم مستفسر کو یہ سوال حضرات علماء کرام ہی سے پوچھنا چاہیئے تھا۔ لیکن ہم اگر انہیں یہ مشورہ دیں گے تو وہ (یقیناً) یہ کہہ دیں گے کہ ہم علماء حضرات سے کیا پوچھیں۔

میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے جواب میں

اور ہم اس سلسلہ میں ان سے عرض کریں گے کہ انہیں تو صرف اس بات کی شکایت ہے کہ علماء حضرات یہ نہیں بتاتے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے، یہ حضرات یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ خود اسلام کہتے کسے ہیں اور مسلمان کی تعریف (DEFINITION) کیا ہے؟ منیر کمیٹی نے یہی سوال علماء کرام سے پوچھا تھا۔ اور اس کے جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کمیٹی کی رپورٹ میں موجود ہے۔

سو جو حضرات یہ نہ بتا سکیں کہ اسلام کیا ہے، وہ آپ کو کس طرح بتائیں گے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ دین کے متعلق یہ حضرات جو کچھ کہتے اور دہراتے رہتے ہیں اس کی حیثیت قرآن کریم کے الفاظ میں) اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ اٰبَاؤُكُمْ - (۵۳/۲۳)۔ چند اصطلاحات ہیں جو ان کے ہاں متواتر چلی آرہی ہیں اور یہ انہیں دہراتے چلے جاتے ہیں، بغیر اس بات کے سمجھے کہ ان کے معانی کیا ہیں اور مفہوم کیا؟

ان میں سے مودودی صاحب نے اپنی کتاب "مسئلہ ملکیتِ زمین" میں اسلام کے معاشی نظام کے متعلق البتہ کچھ لکھا ہے اور وہ، انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

آخری چیز جو مسلمان مصلحین کی نگاہ میں رہنی ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے ہم کس نوع کی جائز ملکیتوں پر نہ تو تعداد یا مقدار کے لحاظ سے کوئی پابندی عائد کر سکتے ہیں اور نہ ایسی من مانی قیود لگا سکتے ہیں جو شریعت کے دیئے ہوئے جائز حقوق کو عملاً سلب کر لینے والی

ہوں۔ اسلام جس چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ مال آئے، جائز راستے سے آئے، جائز طریقے پر استعمال ہو، جائز راستوں میں جائے، اور خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ، اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار، اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں، اور اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو۔ اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔ پھر جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم صرف اسی تجارت یا صنعت یا دوسرے کاروبار کے مالک ہو سکتے ہو جسے تم براہِ راست کرو، اور جس طرح اس نے دنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں ہم پر یہ قید نہیں لگائی ہے کہ تم کسی ایسے کام پر حقوقِ ملکیت نہیں رکھ سکتے جس کو تم اُجرت پر یا شرکت کے طریقے پر دوسروں کے ذریعے کر رہے ہو، اسی طرح وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ زمین کا مالک بس وہی ہو سکتا ہے جو اس میں خود کاشت کرے اور یہ کہ اُجرت یا شرکت پر کاشت کرانے والوں کو سرے سے زمین پر حقوقِ ملکیت حاصل ہی نہیں ہیں۔ اس قسم کی قانون سازیاں خود مختار لوگ تو کر سکتے ہیں، مگر جو خدا اور رسولؐ کے مطیع فرمان ہیں وہ ایسی باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔

آپ ان تصریحات کو سامنے رکھئے اور پھر کسی ماہرِ معاشیات سے پوچھئے کہ اس قسم کے نظام کو کیا کہتے ہیں۔ وہ دو لفظوں میں کہہ دے گا کہ اسے نظامِ سرمایہ داری کہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود خود مودودی صاحب بار بار لکھتے چلے جائیں گے، کہ اسلام نظامِ سرمایہ داری کا مخالف ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ حضرات جس نظام کو اسلامی قرار دیتے ہیں وہ علی وجہ البصیرت نظامِ سرمایہ داری ہے لیکن چونکہ نظامِ سرمایہ داری اب ساری دنیا میں ذلیل و رسوا ہو چکا ہے اس لئے یہ حضرات اپنے پیش کردہ نظام کو سرمایہ دارانہ کہنے سے جھجکتے ہیں، اور اپنی اس جھینپ کو اس نقاب میں چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نہ سرمایہ داری کی حمایت کرتا ہے، نہ اشتراکیت کی، اس کا الگ منفرد نظام ہے۔

مودودی صاحب نے اپنی تحریر میں کہا ہے کہ اسلام جس چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) اس کے پاس جو کچھ آئے جائز راستے سے آئے۔

(۲) جائز طریقے پر استعمال ہو۔

(۳) جائز راستوں میں جائے۔ اور

(۴) خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دیئے جائیں۔

اس کے بعد وہ جس قدر جی چاہے دولت اکٹھی کرے، اور جتنی جی چاہے جائیداد بھی کھڑی کرے، اس میں اسلام کی

رُو سے کوئی مضائقہ نہیں۔

بات دیکھنے کی یہ ہے کہ مال کے آنے کے جس راستے کو یہ حضرات "جائز" قرار دیتے ہیں، وہ کیا ہے؟۔ سنیئے اور غور سے سنیئے۔

اگر کوئی شخص کسی کاشتکار کو ایک ہزار روپیہ قرض دے کر اس پر پچاس روپے سالانہ زاید وصول کیے تو یہ سود ہوگا، اور ناجائز۔ لیکن اگر وہ اسی ایک ہزار روپے کی زمین خریدکر اس کاشتکار کو بٹائی پر دے دے اور اس طرح اس کی کاڑھے پسینے کی کمائی میں سے نصف حصہ بٹور لے (جو موجودہ حالات میں ایک ہزار روپیہ تک بھی ہو سکتا ہے) تو یہ، ان کے نزدیک اس کی کمائی کا جائز راستہ ہوگا۔

یا اگر ایک شخص کسی مزدور کی جیب سے ایک روپیہ چرا کر نکال لے، تو یہ ناجائز ہوگا، لیکن اگر وہ اسے اپنے کارخانے میں ملازم رکھ لے، اور وہ اتنا کام کرے جس سے (تمام اخراجات نکال کر) مالک کو دس روپے بچ جاتے ہیں، اور وہ اس مزدور کو ان میں سے صرف تین روپے دے اور باقی خود رکھ لے، تو یہ طریقہ بالکل جائز قرار پا جائے گا۔

اسی طرح، اگر کوئی شخص، کسی کاروباری کو ہزار روپیہ قرض دے کر اس کے منافع میں سے نصف لیتا چلا جائے، تو یہ بھی جائز راستہ ہوگا

اور اگر کوئی شخص بیس ہزار روپے کی لاگت سے مکان بنوا کر اسے پانچ سو روپے ماہوار کرایہ پر چڑھا دے اور اس طرح مرمت کا خرچ اور تنقیص (DEPRECIATION) نکال کر تین سو روپیہ ماہوار کماتا چلا جائے، تو یہ طریق بالکل جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی آوارہ گرد نوجوان، بلا کسی قابلیت اور صلاحیت، یا محنت اور مشقت کے، باپ کے مرنے پر، چار کارخانوں، دو بنکوں، بیسیوں مکانوں، ہزاروں ایکڑ زمین کا مالک بن جائے تو یہ بھی بالکل جائز طریق منتقلی ہوگا۔

ان کے پیش کردہ اسلامی نظامِ معیشت کی رُو سے حصولِ دولت کے یہ سب طریقے جائز ہیں۔

اب رہا اس مال میں سے "خدا اور بندوں کے حقوق" کی ادائیگی، سو ان کے نظام میں "خدا کا حق" معیّن ہے۔ اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یعنی جو شخص اپنی دولت میں سے اڑھائی فیصد روپیہ بطور زکوٰۃ (ان حضرات کو دے دے) اس کی باقی تمام دولت، شیر مادر کی طرح حلال و طیب ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں، نظامِ سرمایہ داری میں ٹیکس کی مقدار بعض صورتوں میں اسّی فیصد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس میں بچت ہی پر ٹیکس نہیں لگتا بلکہ جائدادوں پر بھی پراپرٹی ٹیکس لگتا ہے۔

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے، ان کی پیش کردہ شرائط کی رُو سے جس غریب آدمی کے پاس (۵۲) تولہ چاندی ہو اسے تو زکوٰۃ دینی پڑتی ہے لیکن جس کے پاس سات تولے سے ذرا کم سونا ہو اسے زکوٰۃ نہیں دینی پڑتی۔ یعنی

جس کے پاس قریب ڈیڑھ سو روپیہ ہو اس پر تو یہ ٹیکس عاید ہو جاتا ہے لیکن جس کے پاس ہزار روپے کی مالیت کا سونا ہو اس پر یہ ٹیکس نہیں لگتا۔

یہ تو رہا "اللہ کا حق"۔ باقی رہا بندوں کا حق، تو اسے صدقہ یا خیرات کہا جاتا ہے۔ سو اوّل تو صدقہ یا خیرات، حکماً ادا نہیں کرنا پڑتا۔ طوعاً (اپنی مرضی سے) جس کا جی چاہے خیرات کر دے۔ دوسرے یہ کہ خیرات کے ٹکڑوں پر پلنے والوں کی عزتِ نفس جس طرح مجروح ہوتی ہے اس کا اندازہ کوئی صاحبِ حمیت ہی لگا سکتا ہے۔

باقی رہا روپے کا کسی "ناجائز جگہ" صرف کرنا، تو یہ پابندی ایک غریب آدمی پر بھی اسی طرح عاید ہوگی جس طرح ایک دولت مند پر۔ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ روپے کا وہ کون سا طریق استعمال ہوگا جو ایک امیر آدمی کے لئے تو ناجائز ہو اور غریب کے لئے جائز۔ شراب خوری ایک روپے کی بھی ویسی ہی ناجائز ہے جیسی دس ہزار روپے کی۔

یہ ہے اسلام کا وہ معاشی نظام جو ان حضرات کے نزدیک، سرمایہ داری کے بھی خلاف ہے اور سوشلزم کے بھی خلاف۔ اور جس میں (بقول ان کے) نوعِ انسان کی مشکلات کا حل پوشیدہ ہے۔ یعنی وہ نظام جس میں خالص سرمایہ کے زور پر محنت کشوں کی محنت کا ماحصل غصب کرتے جائیے، اور اس سلب و غصب کی کوئی حد و نہایت نہ ہو —— اس میں اس قسم کی کوئی پابندی نہ ہو کہ "تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ، اتنے مکان، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار، اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں —— ...... رکھ سکتے ہو، یا اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو؟ اس میں سے تم اڑھائی فیصد زکوٰۃ نکال کر ان حضرات کو دے دو۔ باقی سب حلال و طیب ہوگا۔

ہمیں اس پر اعتراض نہیں کہ یہ حضرات اس نظام کو اسلامی کیوں کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جس اسلام کے یہ اجارہ دار ہیں اس میں معاشی نظام یہی ہے۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جب یہ نظام یکسر نظامِ سرمایہ داری ہے —— تو دھڑلے سے کہیئے کہ اسلام، نظامِ سرمایہ داری کا حامی ہے۔ اگر یہ حق ہے تو حق کہنے میں جھجک اور جھینپ کیوں؟

اور اگر یہ نظام سرمایہ داری نہیں تو پھر بتلائیے کہ اس میں اور نظامِ سرمایہ داری میں فرق کیا ہے؟

۳۔ ہر چہ دانا کند......

تاریخ کے متعلق ہمارے موقف سے قارئین بخوبی واقف ہیں۔ ہماری تاریخ قرنِ اوّل کے صدیوں بعد، زبانی روایات کی رو سے انفرادی کوششوں سے مرتب ہوئی۔ ایک طرف یہ حقیقت ہے، اور دوسری طرف یہ کہ حضورؐ نبی اکرم کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے اور صحابہ کبارؓ کے مومن حقا ہونے پر خود خدا کی شہادت (قرآن میں) موجود ہے۔ لہٰذا ہماری تاریخ میں جو واقعات ایسے آئے ہیں جن سے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ یا صحابہ کرامؓ کی شان میں

طعن پایا جاتا ہے انہیں وضعی سمجھنا اور تاریخ کی کتابوں سے، حذف کر دینا چاہیئے۔ یا کم از کم ان کے متعلق وہیں تصریح کر دینی چاہیئے کہ یہ واقعات غلط ہیں۔ ہم نے جب یہ موقف پیش کیا تو (حسب معمول) ہمارے قدامت پرست طبقہ (بالخصوص جماعت اسلامی) کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی[1] اور کہا گیا کہ طلوع اسلام چاہتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے تمام کارناموں کو دریا بُرد کر دیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں لکھنؤ (بھارت) سے ایک صاحب کی طرف سے حسب ذیل مکتوب موصول ہوا ہے۔

مکرمی --- زید مجدکم۔ السلام علیکم!

بعض رسالوں کے اقتباسات ارسال خدمت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آپ ہی کی طرف آ رہے ہیں اور آپ کے مسلک کی لفظ بہ لفظ تائید کر رہے ہیں۔ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت سے ملوکیت تک" پر آپ نے جو تبصرہ کیا تھا اس کی تائید کتنے زوردار الفاظ میں کی گئی ہے۔ آپ کی اس رائے سے بھی کامل اتفاق کیا گیا ہے کہ تاریخ پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قرآن کے مقابلہ میں مردود ہے۔ نیز قرآن کے مقابلہ میں حدیث بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پھر ملا کس بنا پر حدیث کو قرآن کا ناسخ اور قاضی کہتا ہے؟ یہ ایک معمّا ہے۔

لوگ زبان سے آپ کو کتنا ہی بُرا کہیں لیکن ہر پھر کر آپ ہی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں۔

ہرچہ دانا کند کند ناداں الخ

یہ آپ کی علمی فتح ہے۔

والسلام!

اقتباسات

تاریخ کی حیثیت

حضرت امیر معاویہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں۔ مثلاً رسول اللہ کی یہ دعا — اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا ..... اس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضرور ہو گی ..... کیوں؟ اس لئے کہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سر و پا

---

[1] مودودی صاحب نے جو کتاب "خلافت و ملوکیت" کے نام سے شائع کی تھی اس میں صحابہ کبارؓ کی شان میں بڑی بے ادبی کی گئی تھی اور طلوع اسلام نے اس پر مواخذہ کیا تھا۔

ہوتی ہیں۔ نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے۔ نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے۔ نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ہر غث و سمین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا ہے۔ خواہ ابن الاثیر ہوں یا ابن قتیبہ۔ ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد۔

(مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی۔ ج ا ص ۲۶۲۔ مندرجہ رسالہ رحیق۔ لاہور جون ۱۹۵۸ء۔ صفحہ ۵۱۳-۵۱۴)

صحابہ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں۔ جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی ج ا ص ۲۶۳۔ رحیق لاہور۔ جون ۱۹۵۸ء۔ ص ۵۱۳)

علامہ شبلی نعمانی رح نے سیرۃ النبیؐ ج ا کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اگر حدیث اور تاریخ میں تعارض ہو تو تاریخ کو رد کر دیا جائے گا۔

تاریخ ناقابل اعتبار

اگر کسی تاریخی روایت (خواہ وہ مؤرخ ثقہ ہی ہو) سے کسی صحابیؓ کی تنقیص کا پہلو نکلے تو یا تو اس میں مناسب اور مہذب توجیہہ کرے، ورنہ اسے رد کر دے۔۔۔۔۔۔ بعض گناہوں کا گناہ ہونا لوگوں کو معلوم نہیں جیسے بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور تاریخ کے رطب و یابس کو بے تحقیق نقل کرتے چلے جانا۔ تاریخ کی ہر قسم کی کچی پکی روایات کو آجکل مصنفین نقل کرنا کچھ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔۔ تاریخی روایات کا الاماشاء اللہ اکثر یہی حال ہے۔ صرف قرآن کے اصول کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ اگر آج کے عدالتی نظام پر ان مؤرخوں اور ان کے راویوں کی جرح کی جائے تو ان کی بیشتر روایات ناقابل اعتبار ٹھہریں گی۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند۔ جنوری ۱۹۶۰ء۔ صفحہ ۱۰-۹)

صرف قرآن معیار صداقت ہے۔ حدیث بھی قرآن کے مقابلہ پر قابل رد ہے

مودودی صاحب نے نہایت اہم اور اجل صحابہؓ پر جو بھرپور تنقیدیں کی ہیں ایک خالی الذہن آدمی کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی غیر مسلم مستشرق کا قلم ہے۔۔۔۔ صحابہ کرامؓ کی ثقاہت پر قرآن مجید میں اس قدر صاف و صریح نصوص ہیں کہ شمار سے باہر ان کی توبہ قبول ہونے کی صاف...

(باقی صفحہ ۶۷ پر ملاحظہ ہو)

جملہ حقوق محفوظ

مطالب الفرقان

انٹھائیسواں پارہ مسلسل

سورۃ الصّف (۶۱)

(۱) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہے۔ اس کا قانون بڑے غلبہ اور تسلط کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ بلند ترین حکمت پر مبنی ہے۔ قانون کا غلبہ ہو تو یہی حکمت ہے۔

(۲) اے جماعتِ مومنین! جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس پر غور کرو اور دیکھو کہ کائنات کا یہ کارگہِ عظیم کس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ کیا اس نتیجہ پر نہیں کہ اس میں ہر شے اپنے اپنے عمل سے بتاتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ لہٰذا تم بھی اپنے دعوے (ایمان) کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرو۔ ایسا کبھی نہ کرو کہ زبان سے بڑے بڑے دعوے کرتے رہو اور انہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ۔ جو کچھ زبان سے کہو اسے عمل سے پورا کر کے دکھاؤ۔ قول و فعل میں ہم آہنگی دعوئے ایمان کی صداقت کا ثبوت ہے۔

(۳) قانونِ خداوندی کی رو سے یہ بات بڑی مذموم اور قابلِ گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔

(۴) خدا ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خالی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ انہیں پسند کرتا ہے جو (عند الضرورت) نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے سربکف میدانِ جنگ میں نکل آتے ہیں اور پھر اس طرح صفوں میں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک ایسی دیوار ہیں جسے سیسہ پلا کر مستحکم بنا دیا گیا ہو۔

(۵) یہ حالت تو قومِ موسٰیؑ کی تھی جو باتیں بہت بناتی تھی اور عمل کے وقت بہانہ سازیاں شروع کر دیتی تھی۔ اور اس طرح اپنے رسول کے لئے مصیبت بن جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وہ حالات تھے جن میں موسٰیؑ ان سے کہا کرتا تھا کہ تم میرے لئے مصیبت اور اذیت کا باعث کیوں بنے رہتے ہو' حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں (اس لئے میں تمہیں جس راستے پر چلاتا ہوں وہ خدا کا تجویز کردہ ہے اور تمہارے ہی فائدے کا ہے) لیکن وہ' اس کے باوجود' اپنی غلط روش سے باز نہ آتے۔ چنانچہ جب وہ ٹیڑھے چلتے رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانونِ مکافات کے مطابق' ان کی سمجھ بوجھ ہی ٹیڑھی ہوگئی۔ (لہٰذا) خدا کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ جان بوجھ کر غلط راہوں کی طرف نکل جائیں' وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ (تم نے دیکھا کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ "خدا نے ان کے دل پھیر دیئے" تو اس سے مطلب کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے ان کے اعمال اور روش کا۔ جیسی روش' ویسا قانونِ خداوندی کے مطابق نتیجہ۔)

(۶) یہی وہ قومِ بنی اسرائیل تھی جس سے ان کے آخری نبی' عیسٰیؑ ابنِ مریم نے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف خدا کا فرستادہ ہوں' اور جو کچھ تمہارے پاس تورات میں آیا تھا' اسے سچ کر کے دکھانے کے لئے آیا ہوں۔ اور میں تمہیں "اللہ کے ایک اور رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔ (لیکن جو بنی اسرائیل خود موسٰیؑ کے لئے اس طرح باعثِ مصیبت بنے رہے' اور جنہوں نے عیسٰیؑ کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا ہر ایک کو علم ہے' وہ اس آنے والے رسول پر کس طرح آسانی سے ایمان لے آتے) چنانچہ' اب جبکہ وہ آنیوالا رسول ان کے پاس آچکا ہے' اور اپنے ساتھ واضح قوانین لایا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ (یہ خدا کی وحی نہیں) کھلا ہوا جھوٹ ہے (جسے اس نے خود ہی تراش لیا ہے)۔

(۷) (اس رسول کا ذکر خود ان کی کتابوں میں موجود ہے لیکن یہ اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے' اُن کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے یوں نہیں کہا تھا' یوں کہا تھا' اس لئے یہ وہ رسول نہیں ہو سکتا جس کی بشارت عیسٰیؑ نے دی تھی)۔ ان سے کہو کہ تمہاری یہ حرکت کہ تم خود اپنے دل سے کچھ باتیں وضع کرتے ہو' اور انہیں خدا کی طرف منسوب کرتے ہو' عدالتِ خداوندی میں سنگین ترین جرم ہے۔ (ذرا سوچو کہ تم جو اس رسول کی اس طرح تکذیب کرتے ہو تو کس لئے؟ یہ تمہیں کون سی غلط بات کہتا ہے۔ یہ) تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے — یعنی اس دین کی طرف جسے انبیاءِ بنی اسرائیل پیش کرتے رہے لیکن جو اب تمہارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں رہا —

یاد رکھو! جو لوگ اس طرح ظلم اور سرکشی اختیار کر لیں' ان کے سامنے زندگی کی صحیح راہ کبھی کشادہ نہیں ہوا کرتی۔

(۸) تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی ان حرکتوں سے اس قندیلِ آسمانی (قرآن) کی روشنی کو بجھا دو گے؟ تم اپنے اس ارادہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ (ذرا سوچو کہ کسی کے پھونکیں مارنے سے کبھی سورج کا چراغ بھی گل ہو سکتا ہے)۔ خدا اپنے اس نور کو مکمل کر کے ہر طرف پھیلا کر چھوڑے گا خواہ یہ بات (شپرہ چشم) کفار پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ (۶۱/۸)

(۹) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت دے کر بھیجا ہے۔ یعنی اس نظامِ زندگی کو جو یکسر حقیقت پر مبنی ہے تاکہ یہ نظام دنیا کے تمام باطل نظاموں پر غالب آ جائے، خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کے بجائے مختلف خداؤں کے احکام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں — (کیونکہ اس میں ان کا فائدہ ہوتا ہے۔ ۶۱/۹)

(۱۰) اے جماعتِ مومنین! آؤ تمہیں زندگی کا ایک بلند اصول بتائیں۔

(دنیا میں ہر انسان ایسا کاروبار کرنا چاہتا ہے جس میں اسے فائدہ ہو۔ کوئی شخص اپنے مفاد کو چھوڑنا نہیں چاہتا جو شخص اپنے نفع نقصان کا خیال نہ رکھے اُسے پاگل کہتے ہیں۔ ہوشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے نفع کا خیال رکھے۔ یہ اچھی بات ہے۔ یہ انسان کے تحفظِ خویش کے جذبہ کا تقاضا ہے۔ لیکن تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ انسان کئی سودے ایسے کر بیٹھتا ہے جن میں اسے فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کاروبار کے متعلق وہ صحیح اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ اب سوچو کہ اگر تمہیں کسی ایسے کاروبار کا پتہ چل جائے جس میں کبھی نقصان نہ ہو، تو یہ کتنی عمدہ بات ہو گی)۔ آؤ ہم تمہیں ایک ایسا کاروبار بتائیں جس میں کبھی نقصان کا احتمال نہ ہو اور اس طرح وہ تمہیں اس الم انگیز عذاب سے بچا لے جو کاروبار کے نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۱۱) وہ کاروبار یہ ہے کہ تم اس نظامِ خداوندی کی صداقت اور محکمیت پر پورا پورا یقین رکھو جو اس کے رسول کے ہاتھوں متشکل ہو رہا ہے۔ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے پوری پوری کوشش کرو۔ اس کے لئے اپنا مال و دولت بھی صرف کر دو اور ضرورت پڑنے پر اپنی جانیں تک بھی لڑا دو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لے کر غور کرو گے تو تمہیں نظر آ جائے گا کہ اس کاروبار میں کس قدر منافع ہے۔ (۶۱/۱۱)

(۱۲) یہ نظام تمہارے لئے وہ سامان مہیا کر دے گا جس سے تم ان تباہیوں سے بچ جاؤ گے جو تمہارے پیچھے لگی رہتی ہیں۔ اور تمہیں (اس دنیا اور حیاتِ اُخروی میں) ایسی جنتوں [illegible] سے گا جس کی نر وتازگیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی — سدا بہار باغات کے اندر نہایت خوشگوار رہنے کے گھر۔ یہ بہت بڑی کامیابی اور کامرانی ہے جسے نصیب ہو جائے۔

(۱۳) ان کے علاوہ، ایک اور چیز بھی جسے تم بہت پسند کرتے ہو (یعنی دیارِ عرب ہی میں نہیں بلکہ اس سے

باہر، دیگر مقامات میں بھی تمہاری حکومت قائم ہو جائے گی۔ (۳۲/۲۴) اس مقصد کے لئے، تمہیں قانونِ خداوندی کی پوری پوری تائید و نصرت حاصل ہوگی۔ جس کی وجہ سے، کامیابی کی راہیں جلدی جلدی تمہارے سامنے کھلتی جائیں گی۔

اے رسول! تم اپنے رفقاء (جماعتِ مومنین) کو یہ مژدۂ جانفزا سنا دو۔

(۱۴) لیکن، یہ کچھ خدا خود بخود نہیں کر دے گا۔ انسانوں کی دنیا میں، اس کا پروگرام خود انسانوں کی رفاقت سے، (انہی کے ہاتھوں) پورا ہوتا ہے۔ اس لئے اے جماعتِ مومنین! تم اس نظام کے قیام کے لئے، خدا کے دست و بازو بن جاؤ ___ اور یہ کوئی نیا مطالبہ نہیں جو تم سے کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی جہاں جہاں ایسی کوششیں ہوئی ہیں، انسانوں کے ہاتھوں ہی سے ہوئی ہیں۔ مثلاً عیسٰیؑ ابن مریم نے بھی اپنے مخلص رفقاء سے یہی کہا تھا کہ تم بتاؤ کہ تم میں "کون ہے جو نظامِ خداوندی کے قیام میں میرا معاون و مددگار بنتا ہے؟ اس کے جواب میں، انہوں نے بیک زبان کہا تھا کہ ہم اس مقصد کے لئے خدا کے رفیق اور مددگار بنتے ہیں۔ ان کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ اس نظام کی صداقت پر ایمان لے آیا، لیکن ایک گروہ اس کا مخالف ہو گیا۔ (ان دونوں میں کشمکش ہوئی تو) ہم نے ان لوگوں کو جو اس دین پر ایمان لائے تھے، ان کے دشمنوں کے خلاف مدد دی۔ اور وہ ان پر غالب آ گئے۔

(یہی اُس وقت ہوا تھا۔ یہی اب ہوگا۔ خود اس قوم مخالفین کے اندر سے ایک ایسی جماعت نکل آئے گی جو اس دین کے مخالفین کا مقابلہ کر کے، خدا کے پروگرام کو کامیاب بنائے گی۔ قانونِ خداوندی کی تائید و نصرت اس جماعت کے ساتھ ہوگی۔)

سُورۃ الجُمُعَۃ (۶۲)

(۱) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے، سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے ___ اُس خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جس کے اقتدار و اختیار کی وسعتیں لا انتہا ہیں۔ جسے ہر شے پر پورا پورا غلبہ حاصل ہے۔ اور یہ غلبہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔

(۲) جو نظام کائنات میں چل رہا ہے ___ یعنی ہر شے کا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرمِ عمل رہنا ___ اسی قسم کا نظام انسانی دنیا میں قائم کرنے کے لئے، اس نے آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی یہ رسول ہے جو ان لوگوں کی طرف آیا ہے جنہیں اس سے پہلے آسمانی کتاب نہیں ملی تھی۔

یہ رسول ان کے سامنے قوانینِ خداوندی کو پیش کرتا ہے، پھر انہیں سمجھاتا ہے کہ ان قوانین کا مطلب کیا ہے، اور ان کی غرض و غایت کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایسا عملی پروگرام دیتا ہے جس سے ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ چنانچہ اس رسول کی تبلیغ و تعلیم سے، وہ قوم جو اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھی (زندگی کے صحیح راستے پر گامزن ہو گئی)۔

(۳)۔ (اس رسول کی رسالت، اس کی اولین مخاطب قوم تک محدود نہیں)۔ یہ اُن کی طرف بھی اسی طرح رسول ہے جو ان لوگوں کے بعد آنے والے ہیں ــــ یعنی عالمگیر انسانیت کی طرف رسول، اور موجودہ اور آئندہ تمام نسلوں کے لئے رسول۔ (یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اس قرآن کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس رسول کا سلسلۂ رسالت، اس کی امت کی وساطت سے، قرآن کے ذریعے، ہمیشہ تک باقی رہے گا) یہ سب کچھ خدا کے غلبہ اور حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔

(۴) خدا کی طرف سے وحی کا ملنا، اس کی موہبت ہے۔ اس منصب جلیلہ کے لئے، خدا، اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ، یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وحی کے ذریعے لوگوں کو رشد و ہدایت کا مل جانا بھی خدا کی عنایات میں سے ہے۔ اس کا دروازہ ہر اُس شخص کے لئے کھلا ہے جو اسے لینا چاہے (یعنی وحی تو صرف انبیاء کو ملتی تھی لیکن اُس وحی کی رُو سے راہ نمائی ہر شخص حاصل کر سکتا تھا اور کر سکتا ہے) یہ خدا کی کتنی بڑی کرم گستری ہے کہ اس نے (انسان کی طبعی زندگی کی ضروریات کے لئے سامانِ رزق اس طرح فراہم کر دیا اور اس کی انسانی زندگی کی نشوونما کے لئے وحی کا سلسلہ یوں قائم کر دیا۔ وہ واقعی صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

(۵)۔ (لیکن خدا کی اس کتاب سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اسے سمجھ سوچ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ کتاب کو مقدس غلافوں میں لپیٹ کر اٹھائے اٹھائے پھرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بنی اسرائیل نے خدا کی کتابوں کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا، سو ان کی حالت تمہارے سامنے ہے)۔ انہیں تورات دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس پر عمل کریں۔ لیکن انہوں نے (کتاب کو تو اپنے سر آنکھوں پر اُٹھا لیا لیکن، اس کی عاید کردہ ذمہ داریوں کو نہ اٹھایا۔ ان کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی گدھے پر بڑی بڑی کتابیں لاد دی جائیں اور وہ انہیں اٹھائے اٹھائے پھرے۔ (ظاہر ہے کہ اس سے اُس گدھے کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا)۔ یہی مثال اُس قوم کی ہے جو قوانینِ خداوندی کی صداقت کا زبان سے اقرار کرے لیکن عملاً اس کی تکذیب کرے۔ اس قوم کی حالت جس قدر زبوں ہو سکتی ہے، ظاہر ہے۔ ایسے لوگوں کو، جو اپنے آپ پر اور خدا کی کتاب پر یوں ظلم کریں، کبھی راہنمائی نہیں مل سکتی۔ (کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک گدھا محض اس لئے صحیح راستے پر چلا جائے کہ

جو کتاب اس کی پیٹھ پر لدی ہے اس میں صحیح اور غلط راستے کو متمیز کر کے دکھایا گیا ہے؟)

(۶)۔ (حالت تو ان بنی اسرائیل کی یہ تھی کہ خدا کی کتاب سے راہ نمائی حاصل کرنے کے بجائے اسے محض اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ لیکن زعم باطل یہ کہ ساری خدائی میں صرف ہم ہی خدا کے پیارے ہیں)۔ ان سے کہو کہ اگر تم واقعی خدا کے عزیز ترین دوست ہو تو اس کی راہ میں مرنے کی تمنا کرو۔ یہی تمہارے دعوے کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ (۲ ⁄ ۹۴)

(۷) لیکن تم دیکھو گے کہ یہ کبھی مرنے کی تمنا نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ جانتے ہیں کہ ان کے اعمال کیسے ہیں جن کا نتیجہ انہیں مرنے کے بعد بھگتنا پڑے گا۔ اللہ اس قسم کے مجرمین کی دل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔

(۸) ان سے کہو کہ وہ موت جس سے تم اس طرح بھاگ رہے ہو ایک نہ ایک دن آ کر رہے گی۔ اور تمہیں خدا کے قانونِ مکافات کی طرف لوٹنا ہوگا ــــ اس خدا کے قانونِ مکافات کی طرف جو مخفی اور ظاہر سب کا پورا پورا علم رکھتا ہے ــــ وہ بتائے گا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا نتیجہ کیا ہے؟

(۹)۔ (یہودیوں کی ایسی حالت کیوں ہو گئی؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنی مرکزیت کو فنا کر دیا اور انفرادی مفاد پرستیوں کے پیچھے پڑ گئے)۔ اے جماعتِ مومنین! تم کہیں ایسا نہ کرنا۔ اپنی جماعتی زندگی کو زندہ و پائندہ رکھنا۔ اس کے لئے (مثلاً) جب تمہیں ملّی اجتماعِ صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے تو اپنے سب کام کاج چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ کر آ جایا کرو، تاکہ تم سن سکو کہ وہ قوانین و ہدایاتِ خداوندی کیا ہیں جن کے لئے تمہیں بلایا گیا ہے، اور جن کے مطابق تم نے کام کرنا ہے۔ اگر تم ذرا بھی علم و عقل سے کام لو گے تو یہ حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی کہ یہ اجتماعات تمہارے لئے کس قدر منفعت بخش ہیں۔

(۱۰) جب یہ اجتماعِ صلوٰۃ ختم ہو جائے تو پھر جہاں جی چاہے جاؤ اور تلاشِ معاش میں لگ جاؤ۔ لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ قوانینِ خداوندی کا دائرہ صرف اس اجتماع تک محدود تھا۔ یہ قوانین تمہیں سنائے اور بتائے ہی اس لئے گئے تھے کہ تم اپنی عملی زندگی کے ہر گوشے میں ان پر کاربند رہو۔ لہٰذا اب جو تم کاروبار کے لئے نکلے ہو تو ان قوانین کو ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھو۔ اسی میں تمہاری کامیابی کا راز مضمر ہے۔ (دوسرے لوگ اپنی کامیابی کے لئے جو طریق چاہیں اختیار کریں لیکن تم اپنی کامیابی کے لئے، ہمیشہ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرو۔ یہی کامیابی حقیقی کامیابی کہلا سکتی ہے)۔

(۱۱) چونکہ یہ لوگ (اے رسول!) ابھی تربیت میں ناپختہ ہیں، اس لئے ان کی حالت یہ ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ کسی اچھے کاروبار کا موقعہ ہے، یا کوئی کھیل تماشہ ہے، تو تجھے کھڑے کا کھڑا چھوڑ کر اس طرف اٹھ دوڑتے

ہیں۔ انہیں سمجھاؤ کہ تمہیں جو کچھ قوانینِ خداوندی کی رُو سے ملے گا وہ اس تمام کاروبار سے زیادہ نفع بخش، اور کھیل تماشے سے زیادہ جاذب ہے۔ یاد رکھو! جو سامانِ زیست، قوانینِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے وہ بڑا ہی خوشگوار اور منفعت بخش ہوتا ہے۔

سورۃ المنٰفقون۔ (۶۳)

(۱) اے رسول! جب یہ منافق تیرے پاس آتے ہیں تو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو بیشک خدا کا رسول ہے۔ اللہ اس حقیقت سے باخبر ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ لیکن وہ یہ بتا دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ محض زبان سے یہ بات کہتے ہیں، دل سے تجھے رسول نہیں مانتے۔ لہذا یہ جھوٹے ہیں۔ (جب کسی کا دل اور زبان ہم آہنگ نہ ہوں، تو وہ شخص اپنے قول میں جھوٹا ہوتا ہے، خواہ جو بات وہ کہہ رہا ہے، وہ واقعہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو)۔

(۲) انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے دھوکے کی ٹٹی بنا رکھا ہے، اس لئے یہ لوگوں کو نظامِ خداوندی کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ (ان کے حق میں) بہت بُرا ہے۔

(۳) ان کی اس حالت کو ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر تو اپنے آپ کو ایمان والا کرتے ہیں لیکن جب بھی موقعہ پلٹتے ہیں کفر کا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ درحقیقت دل سے ایمان لاتے ہی نہیں۔ اس منافقانہ طرزِ عمل کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر اس طرح مہریں لگ گئی ہیں کہ اب ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

(۴) جب تو انہیں دیکھتا ہے تو ان کی ظاہری وضع قطع بڑی عمدہ نظر آتی ہے اور وہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتی ہے اور جب یہ باتیں کرتے ہیں تو ایسے معصومانہ انداز سے کہ ہر شخص انہیں کان لگا کر سنے اور سچ باور کر لے لیکن ان کی اندرونی حالت ایسی ہے جیسے گھن کھائی ہوئی لکڑیاں جنہیں دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا ہو۔ نہ خود اعتمادی، نہ زندگی کی تازگی اور حرارت — بظاہر بڑے محکم اور پائیدار، بباطن بالکل کھوکھلے اور بے جان — بزدل ایسے کہ کہیں ذرا سا کھٹکا ہو تو ان کی جان نکل جائے کہ ہم پر کوئی آفت آئی۔ دل میں ہر وقت دغدغا کہ کہیں کچھ ہمارے خلاف تو نہیں ہو رہا؟

یہ تمہارے دشمن ہیں۔ سو تم ان سے بہت محتاط رہو۔ ان پر خدا کی مار۔ انہوں نے کس قسم کی الٹی روش

اختیار کر رکھی ہے؟

(۵) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم آؤ (اور اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرو) تاکہ خدا کا رسول تمہارے لئے نظامِ خداوندی سے سامانِ حفاظت طلب کرے، تو وہ اس سے اعراض برتتے ہیں۔ ذرا رکتے ہیں اور پھر متکبرانہ انداز سے چل دیتے ہیں۔

(۶) اے رسول! (ہم جانتے ہیں کہ تیرا دلِ دردمند چاہتا ہے کہ یہ کسی طرح تباہی اور بربادی سے بچ جائیں۔ لیکن) تیری آرزوئیں انہیں اس تباہی سے بچا نہیں سکتیں۔ ان کے لئے یکساں ہے کہ تو ان کے لئے ایسی آرزو کرے یا نہ کرے۔ یہ اپنی غلط روش میں اس حد تک آگے نکل چکے ہیں کہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق یہ تباہ ہو کر رہیں گے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستے اختیار کر لیں (اور اپنی روش بدلنا نہ چاہیں) ان پر سلامتی کی راہیں کبھی نہیں کھلتیں۔

(۷) ان کی حالت یہ ہے کہ (خود نظامِ خداوندی کی مدد کرنا تو ایک طرف) یہ دوسرے لوگوں سے کہتے رہتے ہیں کہ جو لوگ اس رسول کے ساتھ ہیں، تم انہیں کوئی مالی مدد نہ دو۔ اس طرح (جب یہ بھوکے مریں گے تو) خود ہی اس کا ساتھ چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں گے اور اس طرح اس کا مشن ناکام رہ جائے گا۔

ان سے کہو کہ خدا کے ہاں کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں، رزق کے خزانے بھرے ہیں۔ اسے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ منافق اس بات کو کیا جانیں!

(۸) یہ کہتے ہیں کہ ہمیں مدینہ واپس پہنچ لینے دو۔ پھر دیکھنا کہ وہاں کے زور آور لوگ، ان کمزور اور ذلیل انسانوں کو کس طرح وہاں سے نکال باہر کرتے ہیں؟

انہیں کیا معلوم کہ عزت اور غلبہ سب کا سب، نظامِ خداوندی کے ساتھ وابستگی میں ہے، اس لئے وہ مومنین کے لئے مختص ہے۔ لیکن یہ منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

(۹)۔ (بہرحال، یہ ہے ان منافقین کی حالت اور یہ ہیں ان کے عزائم۔ سو) اے جماعتِ مومنین! دیکھنا۔ تم ان کی باتوں میں نہ آجانا جس سے تمہاری کیفیت یہ ہو جائے کہ (ان کی طرح) مال اور دولت اور اولاد کی محبت تمہیں قوانینِ خداوندی کے اتباع سے غافل کر دے۔ جو لوگ ایسا کریں گے، وہ یاد رکھیں کہ اس سے انہیں سخت نقصان پہنچے گا۔

(۱۰) جو کچھ تمہیں اللہ نے دیا ہے، اُسے اس کے نظام کے قیام کے لئے کھلا رکھو۔ قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو اور وہ حسرت و یاس سے کہے کہ اے میرے نشوونما دینے والے! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت بھی دے دیتا تو میں اپنے دعوائے ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتا اور اس طرح ان لوگوں

میں شامل ہو جاتا جو تیرے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور یوں انسانیت کو اور خود اپنی ذات کو سنوارتے ہیں۔

(۱۱) لیکن خدا کا اٹل قانون یہ ہے کہ جب کسی کی موت آجائے تو پھر اُسے مہلت نہیں ملا کرتی۔ (اس لئے جو کچھ تمہیں کرنا ہے اس میں تاخیر مت کرو)۔ اللہ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔

سورۃ التغابن (۶۴)

(۱) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ جلال اور جمال، قوت اور حمد، دونوں کا سرچشمہ اُسی کی ذات ہے۔ اسی کے مطابق اُس نے ہر شے کے پیمانے (قوانین) مقرر کر رکھے ہیں جن پر اُسے پورا پورا کنٹرول ہے (۱۴ ؛ ۲۵ ؛ ۲)

(۲) اس نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا (جس کی خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ تمہیں اختیار و ارادہ کی استعداد حاصل ہے۔ انسان کی اس استعداد کا نتیجہ یہ ہے کہ) تم میں سے بعض کافر (قوانینِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنے والے) اور بعض مومن (ان قوانین کو ماننے والے) ہو جاتے ہیں۔ (کائنات میں کسی اور مخلوق کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے انکار کر دے۔ یہ خصوصیت انسان ہی کے لئے ہے اور اسی سے یہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ پھر، اس کا اختیار تو انسان کو دیا گیا ہے کہ یہ چاہے تو صحیح راستہ اختیار کرلے اور چاہے غلط راستے پر چل پڑے۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ چلے تو غلط راستے پر اور نتائج برآمد ہوں صحیح راستے کے۔ اس کے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتا ہے۔

(۳) اس نے کائنات کے اس عظیم کارگہ کو حقیقت کے طور پر پیدا کیا ہے۔ (یہ حلقۂ دامِ خیال یا سراب یا خواب نہیں)۔ اس کائنات میں اُس نے تمہیں ایک ایسا پیکر عطا کیا ہے جس میں حسنِ ذات کے امکانات سمٹا کر رکھ دیئے ہیں۔ ان امکانات کو مشہود کرنے کے لئے ایک خارجی معیار کی ضرورت ہے۔ یہ معیار ذاتِ خداوندی ہے جو حسین ترین اور مکمل ترین صفات کی حامل ہے۔ تم اس معیار کو اپنے سامنے رکھو اور صفاتِ خداوندی کو (بہ حدودِ بشریت) اپنی ذات میں منعکس کرتے جاؤ۔ یہی اس دنیا میں زندگی کا منتہا ہے۔

(۴) جو کچھ خارجی کائنات میں ہے، خدا اس سے بھی واقف ہے، اور جو کچھ تمہاری داخلی دنیا میں ہوتا ہے اور

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ وہ تمہارے دل کے اندر گزرنے والے خیالات تک کا علم رکھتا ہے (اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ تمہارا کوئی عمل، صحیح نتیجہ مرتب کئے بغیر رہ جائے۔ لیکن دنیا میں یہ سب اجتماعی نظام کے تابع ہوگا)۔

(۵) اس کی شہادت تمہیں اقوامِ سابقہ کی سرگذشت میں بھی مل سکتی ہے۔ ان میں سے جن قوموں نے قوانینِ خداوندی کی صداقت سے انکار کیا اور غلط بنیادوں پر اپنا نظام قائم کیا' اس کا نتیجہ ان کے سامنے آگیا یعنی وہ قومیں تباہی اور بربادی کے الم انگیز عذاب میں مبتلا ہوگئیں۔

(۶) ان کی طرف، خدا کے رسول، واضح دلائل اور قوانین، لے کر آتے لیکن انہوں نے نہایت حقارت سے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ کیا ہم (اپنے جیسے) انسانوں کی لیڈرشپ قبول کرلیں؟ (حالانکہ سوال یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اس بات کو پیش کرنے والا انہی جیسا انسان ہے، دیکھنے کی بات یہ تھی کہ جو کچھ وہ پیش کر رہا ہے وہ کیا ہے؟ لیکن انہوں نے اس پر غور کئے بغیر محض نخوت اور تکبر کی بنا پر) اس سے انکار کر دیا اور منہ پھیر کر دوسری طرف چل دیئے۔ (تو اس سے انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا، اللہ کا کچھ نہ بگاڑا)۔ اللہ اس کا محتاج نہیں کہ لوگ اس کی اطاعت کریں تو اس کے کام سنوریں۔ اس کے سب کام' دوسروں کی مدد کے بغیر سنورے ہوتے ہیں۔

(۷) یہ لوگ، جو اس ضابطۂ ہدایت سے' انکار اور سرکشی اختیار کر رہے ہیں (اپنے پیشروؤں کی طرح' اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ بڑی قوتوں کے مالک ہیں' اس لئے انہیں راستے سے ہٹایا ہی نہیں جا سکتا۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس بھول میں مت رہو۔ تم خدا کے نظامِ ربوبیت کے راستے میں یوں سنگِ گراں بن کر بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ تمہیں راستے سے ہٹا دیا جائے گا تاکہ انسانیت آگے بڑھ سکے۔ اس وقت تمہیں نظر آجائے گا کہ تمہارے اعمال نے کیا نتائج برآمد کئے ــــ اور اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے یہ کچھ آسانی سے ہو جائیگا۔

(۸)۔ (تم اس تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کے لئے ابھی وقت ہے) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ یعنی اس ضابطۂ قوانین (قرآن) پر جسے اللہ نے، تمہاری عقل کی راہ نمائی کے لئے اس طرح روشنی بنا کر بھیجا ہے (جس طرح تمہاری آنکھ کے لئے سورج کی روشنی پیدا کی ہے)۔ تمہارے تمام کام' خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہ میں رہتے ہیں۔

(۹) لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر وہ وقت آجائے گا جب تم سب میدانِ جنگ میں جمع ہو جاؤ گے اور وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ اس میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ کس میں کس قدر کمی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ ہار گیا ہے۔ وہ جماعت جو قوانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتی ہے اور صلاحیت بخش پروگرام

پرعمل پیرا ہے، ان میں جو تھوڑی بہت ناہمواریاں رہ گئی ہوں گی، وہ ان کے حسن عمل کی قوتوں سے دور ہو جائیں گی، اور اس طرح (وہ اپنے مخالفین پر کامیابی حاصل کر کے) ایسا جنتی معاشرہ قائم کر لیں گے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی (یہی کیفیت اُخروی زندگی میں بھی ہوگی) جس سے وہ بہرہ یاب ہوں گے۔

(۱۰) ان کے برعکس، جو لوگ اس نظام کی صداقت سے انکار کرتے، اور ہمارے قوانین کو جھٹلاتے ہیں، ان کے حصے میں تباہیاں اور بربادیاں ہوں گی ـــــ زندگی کا یہ مآل کتنا بُرا ہے!

(۱۱) اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کائنات میں جو واقعہ بھی رونما ہوتا ہے، خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ (یہاں کوئی بات یونہی اللّٰہ ٹپ نہیں ہوتی۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خدا کو ہر شے کا علم ہے۔

جو شخص ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھتا ہے، اس کی عقل و فہم کو اس قسم کی روشنی مل جاتی ہے جس سے وہ ان اسباب و علل کو سمجھ لیتا ہے جن کے مطابق حوادثِ کائنات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ (اب ظاہر ہے کہ جس شخص یا قوم کو معلوم ہو جائے کہ کائنات میں مختلف حوادث کن قوانین کے مطابق واقع ہوتے ہیں، وہ کتنی کامیاب ہوگی۔)

(۱۲) اگر تم اپنے اندر یہ کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس نظامِ خداوندی کی اطاعت کرو جو اس کے رسول کے ہاتھوں متشکل ہو رہا ہے۔ اگر تم اس سے روگردانی کرو گے تو (اس سے نہ خدا کا کچھ بگڑے گا نہ اس کے رسول کا۔ اس سے تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ اور اس نقصان کی ذمہ داری بھی تمہارے ہی اوپر ہوگی۔ اس لئے کہ) ہمارے اس رسول کی ذمہ داری اسی حد تک ہے کہ وہ ان قوانین کو واضح طور پر تم تک پہنچا دے۔

(۱۳)۔ (یاد رکھو! تم اس نظام سے روگردانی کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ) کائنات میں صرف اللہ کا قانون نافذالعمل ہے۔ اس کے سوا کسی اور کا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں۔ اور یہ نظام، خدا کے قوانین پر مبنی ہے۔ جو لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔

(۱۴)۔ (اے جماعتِ مومنین! تم جو اس نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے کوشاں ہو، تو اس سلسلہ میں ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اس نظام کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ تم پوری پوری محنت کرو۔ لیکن اس محنت کی کمائی سے جو کچھ حاصل ہو، اس میں سے اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کے بقدر لے کر، باقی سب نوعِ انسانی کی ربوبیتِ عامہ کے لئے وقف کر دو۔ اگر تمہارے بیوی بچوں میں یہ اندازِ نگاہ پیدا نہیں ہوا، تو ان کی تنگ نظری اس تصور کو قبول نہیں کرے گی اور اس طرح وہ تمہارے راستے میں حائل ہو جائیں گے، یوں بعض بیوی بچے انسان

کے دشمن بن جاتے ہیں۔ تم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اگر تم ان کی تنگ نگہی سے آگے بڑھ گئے اور ربوبیت کے تصور کو اپنے گھر کی چار دیواری سے آگے لے جا کر پوری انسانیت پر پھیلا دیا، تو اس سے وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں، خود ان کی (یعنی تمہارے بیوی بچوں کی) اور دوسروں کی حفاظت اور نشو ونما کا سامان بڑی فراوانی سے بہم پہنچتا رہے گا۔

(۱۵) بنا بریں، تمہارے لئے تمہارے بیوی بچے، اور مال و دولت، وہ کٹھالی ہیں جس سے تم کندن بن کر بھی نکل سکتے ہو اور راکھ کا ڈھیر بھی ہو سکتے ہو۔ کندن اس طرح بن سکتے ہو کہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرو کہ تمہاری محنت کا وہی معاوضہ حقیقی اور نتیجہ خیز ہے جو تمہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق ملے۔

(باقی رہا یہ کہ گھر کی زندگی میں اس قسم کی کشمکش کو دور کس طرح کیا جا سکتا ہے، تو اس کے لئے تمہیں ہدایات دی جا چکی ہیں۔ اور وہ یہ کہ اپنے رفیقِ حیات کے انتخاب کے وقت اس کا خیال رکھو کہ تم دونوں میں نظریات اور خیالات کی ہم آہنگی ہو اور پھر اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اس نہج سے کرو کہ وہ بھی انہی تصورات کی حامل بن کر پروان چڑھے۔ اس قسم کے گھر میں یہ کشمکش پیدا نہیں ہوگی۔ (۲/۲۲۱))

(۱۶) لہذا، تم سے جہاں تک ہو سکے، قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ نظامِ خداوندی کے احکام کو اچھی طرح سے سنو اور ان کی اطاعت کرو، اور اپنی کمائی کو ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا رکھو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اس سے تمہاری نگاہ میں ایسی کشادہ پیدا ہو جائے گی جس سے تم اس کوشش میں نہیں لگے رہو گے کہ دوسروں کو پیچھے دھکیل کر خود آگے بڑھ جاؤ، اور اس طرح سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لو ــــ مفادِ خویش کی تنگ نظری انسان کو یہی سکھاتی ہے کہ کھیتی اسی کی سرسبز ہوتی ہے جو، دوسروں کی پرواہ کئے بغیر، اپنے کھیت کو سیراب کرے۔ اور ہمارا قانونِ ربوبیت یہ ہے کہ کھیتیاں انہی کی پکتی ہیں جو دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں۔ (۵۹/۹)

(۱۷) وہی قانون تمہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو کچھ تم دوسروں کی نشو ونما کے لئے دیتے ہو، یہ درحقیقت قرض ہے جو تم خدا کو دیتے ہو۔ اگر تم اس قسم کا قرضِ حسن کارانہ انداز سے نظامِ خداوندی کو دو گے، تو وہ تمہیں اس سے کئی گنا زیادہ، واپس دے گا۔ اور تمہارے لئے تمام نقصانات سے بچنے کا سامان بھی پیدا کر دیگا۔ خدا، ہر ایک کو اس کی محنت کا بھرپور معاوضہ دیتا ہے، اور اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑا بردبار واقع ہوا ہے۔ یونہی ذرا ذرا سی بات پر بھڑک نہیں اٹھتا۔

(۱۸) وہ غائب اور حاضر، پوشیدہ اور ظاہر، ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ اور اس پر اسے پورا پورا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ غلبہ جو حکمت پر مبنی ہے، دھاندلی پر نہیں۔

ــــ (۰) ــــ

سُورۃ الطّلاق (۶۵)

(۱) اے رسولؐ! جب تم طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے بعد' عدت کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے ضرور پورا کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اس عدت کا حساب رکھو' اور اس طرح اپنے نشوونما دینے والے کے احکام کی پوری پوری نگہداشت کرو ($\frac{۲}{۲۲۸-۲۳۶}$؛ $\frac{۳۳}{۴۹}$) اور اس دوران میں' ان مطلقہ بیویوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو ($\frac{۶۵}{۶}$)۔ (عدت کے دوران یہ گھر ہنوز ان کے اپنے گھر ہیں۔ اس لئے نہ تم انہیں ان گھروں سے نکالو) نہ وہ خود ہی وہاں سے نکلیں۔ ہاں' اگر وہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں (تو پھر انہیں گھر سے نکالا جا سکتا ہے) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود (قوانین) ہیں۔ جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو (اس سے جو نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے' وہ تو ایک طرف رہا) وہ خود اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہے۔

انہیں (عدت کے دوران) اپنی گھروں میں رکھنا' اوران کا وہیں رہنا اس لئے ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے' اس مفارقت کے عملی تجربہ سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ سابقہ میاں بیوی میں باہمی موافقت کی شکل نکل آئے (بشرطیکہ یہ طلاق ایسی ہو جس میں پھر موافقت کی گنجائش ہوتی ہے)۔

(۲) جب عدت کا زمانہ ختم ہونے کو آئے تو اس وقت اس معاملہ پر پھر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اگر نباہ کی صورت ممکن دکھائی دے تو خواہ مخواہ علیحدگی کیوں اختیار کرو۔ قاعدے اور قانون کے مطابق میاں بیوی کی زندگی بسر کرو۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر' قاعدے اور قانون کے مطابق علیحدہ ہو جاؤ۔ اور اس آخری فیصلہ پر اپنے میں سے دو گواہ مقرر کر لو جو کسی کی رُو رعایت نہ کریں' اور اسے فریضۂ خداوندی سمجھ کر گواہی برحق وانصاف سے قائم رہیں۔ یہ تاکید اس شخص سے کی جا رہی ہے جو قوانین خداوندی' اور مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ان احکام کی پابندی میں تمہیں کوئی دشواری پیش آئے۔ لیکن اسے ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ قانون کی پابندی کی وجہ سے اگر کوئی مشکل پیش آتی ہو' تو نظامِ خداوندی اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تجویز کر دے گا۔

(۳) اس میں معاشی مشکلات بھی پیش آسکتی ہیں' لیکن نظامِ خداوندی اس کا انتظام بھی ایسے طریق سے کر دے گا جس کی تمہیں توقع تک نہ ہو۔ یاد رکھو! جو شخص بھی نظامِ خداوندی پر بھروسہ کرتا ہے' تو وہ نظام

اس کے اس بھروسے کو پوری طرح نباہتا ہے۔ اُسے یونہی لٹکتا نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ آخر تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے ہر بات کے لئے پیمانے اور اندازے (قوانین وضوابط) مقرر کر رکھے ہیں۔ اور جو کام قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق ہوں، ان میں نہ تذبذب ہو سکتا ہے، نہ دشواری۔

(طلاق کا فیصلہ دینے والی عدالت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام متعلقہ امور کو پیش نظر رکھے اور پیش آنے والی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا مناسب حل تجویز کر دے)۔

(۴)۔ (جیسا کہ ۲۲۸ میں بتایا جا چکا ہے، عدت کی مدت، عام حالات میں، تین حیض کا زمانہ ہے۔ لیکن) جن عورتوں کو حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور اس وجہ سے تمہیں اضطراب لاحق ہو کہ ان کی عدت کا شمار کس طرح کیا جائے، تو ان کے لئے تین حیض کے بجائے، تین مہینے، عدت کے شمار کرو۔ یہی عدت اُن عورتوں کے ضمن میں شمار کرو جنہیں کسی عارضہ کی وجہ سے حیض نہ آسکا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔ (بعض طبائع کو شاید عدت کی یہ مدت لمبی معلوم ہو کیونکہ اس مدت میں انہیں مطلّقہ بیوی کے اخراجات کا متحمل ہونا پڑے گا۔ لیکن اس میں خائف ہونے کی کوئی بات نہیں)۔ جو شخص بھی قانونِ خداوندی کی نگہداشت کریگا، نظامِ خداوندی اس کے لئے آسانیاں پیدا کرے گا۔ (متعلقہ عدالت کو ایسی شکلیں بھی سامنے رکھنی چاہئیں اور ان کا حل تجویز کرنا چاہیئے)۔

(۵) یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ اور جو شخص قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے تو نظامِ خداوندی اس کی وہ دشواریاں دور کر دیتا ہے جو اس قسم کی عائلی ناہمواریوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُس کے اِس عمل کا (کہ اس نے قانونِ خداوندی کی اطاعت میں کچھ دقتیں اٹھائیں) بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

(۶) تم ان عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو، اور اسی طرح رکھو جس طرح تم خود رہتے ہو۔ اور انہیں تنگ کرنے کی غرض سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اگر وہ حمل سے ہیں تو وضع حمل تک تمہیں ان کا خرچ بہر حال برداشت کرنا ہے۔ اگر وضع حمل کے بعد، وہ تمہاری خاطر بچے کو دودھ پلائیں (یعنی تم کوئی اور انتظام نہ کرو اور باہمی رضامندی سے یہ طے پا جائے کہ وہی بچے کو دودھ پلائیں، تو) انہیں ان کی دودھ پلائی کی اجرت دو۔ ان امور کی تفاصیل کو باہمی مشورے سے عمدہ طور پر طے کر لیا کرو۔ اور اگر یہ انتظام تم میں سے کسی پر گراں گزرے، تو تم کسی دوسری عورت کا انتظام کر لو جو بچے کو دودھ پلائے۔

(۷) مطلّقہ کا خرچ، یا دودھ پلانے کی اُجرت کا معاملہ طے کرنے کے سلسلہ میں، اس بات کو مدنظر رکھو کہ صاحبِ وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے۔ اور جس کا ہاتھ تنگ ہو، تو جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے

وہ اس کے مطابق دے۔ یاد رکھو! خدا کا قانون کسی پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر اس فالتو خرچ سے اس پر کچھ تنگی آجائے تو قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کی اس تنگی کو آسانی سے بدلا جاسکتا ہے۔ (عدالتِ مجاز اس بات کا بھی خیال رکھے)

(۸)۔ (یہ قوانین تمہاری عائلی زندگی سے متعلق ہیں۔ بظاہر ایسا دکھائی دے گا کہ یہ شخصی قوانین ہیں جن کا تعلق افرادِ معاشرہ کی پرائیویٹ زندگی سے ہے۔ قوم کی اجتماعی زندگی پر ان کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ یہی وہ سطحی نگاہ ہے جس کی رُو سے سیکولر حکومتیں، شخصی قوانین (پرسنل لاز) کو تمدنی قوانین (پبلک لاز) سے الگ رکھتی ہیں۔ لیکن یہ بڑی بھول ہے (زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے جسے شخصی اور تمدنی دوائر میں اس طرح تقسیم نہیں کیا جاسکتا کہ ایک دائرے کا اثر دوسرے دائرے پر نہ پڑے) ان تمام معاملات کا قوموں کی موت اور حیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ کتنی ہی قومیں ایسی تھیں جنہوں نے خدا کے (اس قسم کے) قوانین سے سرکشی برتی، اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی تو ہمارے قانونِ مکافات نے ان کا سخت محاسبہ کیا، اور ان پر انہی کی وجہ سے، تباہیاں اور بربادیاں آگئیں۔

(۹) چنانچہ انہوں نے اپنے خودساختہ قوانین وضوابط کے تباہ کن نتائج کا مزہ چکھا ۔۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان، قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر ان کی جگہ اپنے قوانین وضع کرنے لگ جائے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

(۱۰) چنانچہ، خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق، ایسی قوموں پر سخت تباہی آجاتی ہے۔

لہٰذا، اے عقل وخرد سے کام لینے والو! یعنی وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم ہمیشہ خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اس مقصد کے لئے خدا نے تمہاری طرف یہ ضابطۂ قوانین نازل کیا ہے۔

(۱۱) اُس رسول کی وساطت سے، جو تمہارے سامنے ان قوانینِ خداوندی کو پیش کرتا ہے جو اپنے مطالب میں بالکل واضح ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ وہ، ان لوگوں کو جو ان قوانین کی صداقت پر ایمان لائیں اور خدا کے مقرر کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں، زندگی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

یاد رکھو! جو شخص بھی، قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھ کر اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے، خدا کا قانونِ مکافات اسے ایسے جنتی معاشرہ میں داخل کرتا ہے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آسکتی، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کے لئے خدا، نہایت حسن کارانہ انداز سے سامانِ زیست مہیا کرے گا۔ (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

(۱۲) یہ انتظامِ ربوبیت اُس خدا کی طرف سے ہوتا ہے جس نے کائنات کی فضاؤں میں متعدد بلندیوں کو پیدا کیا اور ہر بلندی کے مقابلہ میں، اُس جیسی پستی کو[1] وہ ان تمام اجرامِ فلکی میں، اپنے پروگرام کو نافذ کرتا رہتا ہے (اور یہ اسی کے مطابق سرگرمِ عمل رہتے ہیں)۔

(اس نے ان تمام امور کو اس لئے بیان کیا ہے) تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات میں ہر شے اُس کے مقرر کردہ اندازے اور پیمانے (قانون) کے مطابق چل رہی ہے اور یہ کہ کائنات کی کوئی شے، علمِ خداوندی کے احاطہ سے باہر نہیں۔

(۰)

سورۃ التحریم (۶۶)

(۱) اے نبی! جس چیز کو خدا نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے، تو اُسے اپنی بیویوں کی رضامندی کی خاطر، اپنے اوپر حرام کیوں قرار دیتا ہے؟ (یہ تنبیہ اس لئے کی گئی ہے کہ) تم پر خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت و ربوبیت کی کمی نہ ہو (جو حلال چیزوں کو حرام قرار دے لینے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ تیرے کسی عمل کا اثر، تیری اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا۔ تم کسی چیز کو محض طبیعت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے چھوڑ دو، اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ وہ چیز فی الواقعہ بُری ہے اس لئے وہ بھی اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیں۔ بنابریں، اس لئے بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے)۔

(۲) (اگر تم نے اس بارے میں کوئی قسم کھالی ہے، تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں) قانونِ خداوندی نے اس قسم کی قسموں کے توڑ دینے کے لئے کفارہ مقرر کر رکھا ہے۔ ($\frac{2}{225}$; $\frac{5}{89}$)۔ اللہ تمہارا کارساز ہے (اس لئے اس نے اپنے قانون میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ جو باتیں سہو و خطا کی وجہ سے سرزد ہو جائیں ان کا

---

[1] بلندی اور پستی، اضافی (RELATIVE) جیتیں ہیں۔ اگر تین چیزیں اوپر نیچے رکھی ہوں تو سب سے اوپر والی کے مقابلہ میں، درمیان والی چیز نیچے ہوگی اور سب سے نیچے والی کے مقابلہ میں وہی درمیان والی، اوپر ہوگی۔ اس طرح، ہر پستی کی ایک بلندی ہوتی ہے اور ہر بلندی کی ایک پستی۔ یہی صورت، فضا میں بکھرے ہوئے اجرامِ فلکی (کرّوں) کی ہے۔ ہر کرّہ اپنے سے نیچے کے مقابلہ میں بلند اور اپنے سے اوپر والے کے مقابلہ میں پست رہے۔ یہ مطلب ہے ہر "سماء" کے مقابلہ میں اس جیسی ایک "ارض" کا۔ سماء بلندی اور ارض پستی۔

تدارک آسانی سے ہو سکے۔ وہ انسان کی طبیعت کی کمزوریوں سے) واقف ہے اس لئے اس نے اپنے قانون کو حکمت پر مبنی رکھا ہے۔

(۳) یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ، ہمارے نبی نے کوئی بات اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر کہی تھی، (میاں بیوی میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں) اس کی بیوی نے، اس بات کا کسی اور عورت سے ذکر کر دیا (حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا)۔ خدا نے اس بات کو (اس عورت کے ذریعے[1]) نبی پر ظاہر کر دیا، تو اس نے اس میں سے کچھ حصہ اپنی اس بیوی کو جتا دیا اور کچھ حصے سے اعراض برتا۔ (یعنی بات بتا دی اور یہ نہیں بتایا کہ اسے کس سے معلوم ہوئی ہے) چنانچہ اس پر اس بیوی نے، نبی سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بات اس (عورت) نے بتائی ہے جس پر تو نے اس راز کو افشا کیا تھا۔ اور وہ اس طرح اس سے باخبر ہو گئی تھی[2]۔

(۴) اس پر خدا نے حکم دیا کہ اگر تم دونوں عورتیں (جو اس راز میں شریک ہو) خدا سے معافی مانگ لو تو اچھی بات ہے، اس لئے کہ اس سے تمہارے دلوں میں کچھ کجی سی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اگر تم ایک دوسرے کی حلیف بن کر نبی کی مخالفت کرو گی تو یاد رکھو! (تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی۔ وہ چونکہ حق پر ہے اس لئے) خدا، اس کا قانون جو جبریل کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، مومنین صالحین کی جماعت، اور ملائکہ، اس کے ساتھ ہیں، یہ سب اس کے مددگار ہوں گے۔

(۵)۔ (میاں بیوی کی زندگی، کامل ہم آہنگی، مودت اور سکون کی زندگی ہونی چاہیئے۔ اگر اس رشتہ میں یہ شکل باقی نہ رہے تو پھر انہیں علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ لہذا، اگر تم نے اس کی مخالفت جاری رکھی تو اس کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ تمہیں علیحدہ کر دے۔ اس صورت میں تم اس بات کو پیش نظر رکھو کہ) اسے خدا، تم سے بہتر بیویاں دے دیگا —— بہتر اس لحاظ سے کہ وہ ایسی عورتیں ہوں گی جو قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ ان کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھیں۔ اپنی جملہ صلاحیتوں کو اس مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ اگر کبھی بھول چوک سے کوئی قدم غلط اٹھ جائے تو اس کی فوراً اصلاح کر لیں۔ جو ہر حال میں قوانین خداوندی کی اطاعت

---

[1] جو باتیں انسان کو عام طور پر معلوم ہو جاتی ہیں، یا جن کا علم وہ عام طریق کے مطابق حاصل کر سکتا ہے انہیں بھی بعض اوقات خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً (۵/۴) میں دیکھئے۔ شکاری کتوں کو، سدھانے کے طریق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ (نیز ۲/۲۲۲ ؛ ۵/۹۱ ؛ ۵/۵۳)

[2] اگر العلیم الخبیر سے مراد اللہ تعالیٰ لیا جائے تو اس کا مطلب وہ ہوگا جیسے حاشیہ ۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

کریں، اور نبی کے ساتھ سفر اور جہاد میں جائیں۔ (۹/۱۱۲)

ان خصوصیات کی عورتیں اس کے عقد میں آنے کے لئے تیار ہوں گی۔ خواہ وہ مطلقہ یا بیوہ ہوں۔ اور خواہ ناکتخدا۔

(۶)۔ دعائلی زندگی سے متعلق یہ امور اس لئے بیان کئے جا رہے ہیں کہ) تم خود بھی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچ جاؤ اور اپنے متعلقین کو بھی ان سے بچا سکو۔ اُس جہنم کے عذاب سے جس کا ایندھن خود وہ انسان ہوتے ہیں جو اس میں داخل ہوتے ہیں، کیونکہ وہ انہی کے اعمال سے شعلہ خیز ہوتا ہے۔ یہ انسان نہیں پتھر ہوتے ہیں کیونکہ یہ اپنی نشوونما کی صلاحیتیں ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ تباہی، کبھی جنگ کی شکل میں سامنے آتی ہے اور کبھی غلط نظام کے تباہ کن نتائج کی صورت میں (۲/۲۴) اس جہنم کی نگہداشت کے لئے بڑی بڑی سخت کاشناتی قوتیں مقرر ہیں۔ انہیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہ اس سے ذرا بھی سرتابی نہیں برتتیں۔ وہ وہی کچھ کرتی ہیں جو ان سے کہا جاتا ہے۔

(۷)۔ (ظہور نتائج کے وقت) ان لوگوں سے جو اس وقت صحیح روشِ زندگی پر چلنے سے انکار کرتے ہیں، کہا جائے گا کہ اب پردہ پوشیوں اور عذر تراشیوں سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اب تمہارے اعمال، خود ہی اپنا بدلہ بن کر تمہارے سامنے آجائیں گے۔

(۸) اے جماعتِ مومنین! تم بھی اس کی احتیاط رکھو کہ اگر سفرِ زندگی میں تمہارا کوئی قدم سہواً غلط سمت کی طرف اُٹھ جائے تو اس روش سے ہٹ کر، فوراً صحیح راستے کی طرف آجاؤ۔ اور پھر اس طرح اس راستے کے ساتھ متمسک ہو جاؤ کہ تمہارا قدم دوبارہ غلط سمت کی طرف نہ اُٹھے۔ اس طرح خدا کا قانونِ مکافات تمہاری غلط روش کے مضر اثرات کو دور کر دے گا، اور تمہیں ایسی جنتی زندگی عطا کر دے گا جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہ آئے۔ اُس وقت نبی اور اس کے رفقاء کی جماعت کو کہیں بھی نیچا نہیں دیکھنا پڑے گا۔ انہیں ہر قسم کی سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب ہوں گی۔ ان کا نورِ بصیرت ان کے آگے آگے اور دائیں (بائیں) چلتا ہوگا۔ اس طرح ان کی زندگی کی تمام راہیں روشن ہوتی جائیں گی اور وہ آگے ہی آگے بڑھتے جائیں گے۔ ان کی آرزو یہ ہوگی کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمارے نورِ بصیرت کو مکمل کر دے اور زندگی کے ہر قسم کے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ۔ یہ سب کچھ ان پیمانوں کے مطابق ہوگا جو تو نے مقرر کر رکھے ہیں اور جن پر تیرا پورا پورا کنٹرول ہے۔

ـہ اس کے معنی لیڈر اور عوام بھی ہو سکتے ہیں۔ (۲/۲۴)

(۹) لیکن، اے نبی! انہیں بتا دے کہ تمہاری ان آرزوؤں کے بر آنے کا طریق یہ ہے کہ تم منافقین کی ریشہ دوانیوں اور کفار کی مزاحمتوں کے خلاف مصروفِ جدوجہد رہو، اور ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو چٹان کی طرح مضبوط رکھو اور ان پر پوری شدت سے غلبہ حاصل کرو۔ اس طرح یہ مخالفین، تباہیوں کے جہنم میں پہنچ جائیں گے اور ان کا انجام بہت ہی بُرا ہوگا۔

(۱۰) (عائلی زندگی سے متعلق قوانین کے ضمن میں) اللہ اُن لوگوں کے لئے جو قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں، نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے نہایت صالح بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے اُن سے خیانت کی (یعنی ایمان میں ان کا ساتھ نہ دیا) تو ان کے شوہر، خدا کے قانونِ مکافات کے مقابلہ میں ان کے کسی کام نہ آسکے، اور وہ عورتیں، تباہ ہونے والوں کے ساتھ، تباہ ہو گئیں۔ (یعنی خاوند کا حسنِ عمل، بیوی کے بھی کام نہ آسکا، حالانکہ ان دونوں کا رشتہ بڑا ہی قریب کا ہوتا ہے۔)

(۱۱) ان کے برعکس، اللہ، مومنین کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتی تھی کہ اے میرے نشوونما دینے والے! تو اپنی طرف سے میرے لئے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون، اور اس کے غلط اعمال سے نجات دے۔ بلکہ اس پوری کی پوری قوم سے نجات دے جس نے اس طرح ظلم و ستم پر کمر باندھ رکھی ہے۔

(۱۲) اور تیسری مثال، عمران کی بیٹی مریم کی ہے۔ اس نے خانقاہیت کے اُس گھناؤنے ماحول میں، جہاں ہر گرگ کو برۂ معصوم کی تلاش رہتی ہے، اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اور اپنے چاکِ گریباں تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچنے دیا۔ (اس نے خانقاہیت کی خود تراشیدہ شریعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، خدا کے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق عائلی زندگی اختیار کی، اسے عمل قرار پایا)۔ پیدا ہونے والے بچے میں ہم نے اپنی توانائیوں کا شمہ ڈالا (جیسا کہ ہر انسانی بچے کی صورت میں ہوتا ہے)۔ اس طرح اس نے اپنے خدا کے احکام و ارشادات کی، یعنی اس کی طرف سے بھیجے ہوئے قوانین، کی تصدیق کی۔ وہ خدا کے نہایت فرمانبردار بندوں میں سے تھی۔

(ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ رشتہ داری کی بندشیں یا ماحول کے اثرات، انسان کے ایمان کے راستے میں روک بن کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ انسان کو اتنی زبردست قوتِ ارادی دی گئی ہے کہ یہ ان تمام موانعات اور مؤثرات پر قابو پا سکتا ہے۔

بقیہ بابُ المراسلات ۔ ص۶۶ سے آگے

صراحت موجود ہے .... ان کو رضوان سے نوازا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب الله فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ ۔ (مسند احمد)

میرے بعد تم سے بکثرت احادیث بیان کی جائینگی۔ لہٰذا میری کوئی حدیث تم سے بیان کی جائے، تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرنا۔ جو اس کے موافق ہو قبول کرنا، جو اس کے خلاف ہو، رد کر دینا۔

جب حدیث کے متعلق قولِ نبوی کی روشنی میں یہ اصول مذکورہ مقرر ہوا، تو تاریخ کس شمار میں آتی ہے۔ تاریخی روایات کا جو ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ یقیناً خدا کی وحی نہیں۔ ہنگامی اور سیاسی مصلحتوں سے بھی خالی نہیں۔ اور سیاسی مصلحتیں جانبداری یا باہمی شقاق و عصبیت سے پاک نہیں ہو سکتیں —— اس لئے ہمارے ایمان کی خیر اسی میں ہے کہ صحابہؓ کے متعلق ذرا سا بھی سوءِ ظن اپنے باطن میں پیدا نہ ہونے دیں اور ہر ایسی روایت کا انکار کر دیں جس میں ان کی عظمت کا احترام ملحوظ نہ رکھا گیا ہو خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے مصنف کی معتبر سے معتبر تاریخ میں درج ہو۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند۔ دسمبر ۱۹۶۶ء ۔ صفحہ ۱۰)

—— (۰) ——

اسلام نے صرف اصول دیئے ہیں

قرآن و سنت نے تو ہمیں اصول عطا فرمائے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں فقہا مجتہدین نے اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق، جزئیات مستنبط فرمائے ہیں۔

(مقالہ "تقلید کیا ہے" از مولانا محمد تقی عثمانی۔ مدرس دارالعلوم کراچی۔ مندرجہ "الحق" حیدرآباد دکن۔ رجب و شعبان ۱۳۸۷ھ ۔ صفحہ ۱۱۔ ماخوذ از "فاران" کراچی۔)

—— (۰) ——

یہی آپ کا مسلک ہے کہ ہر زمانہ میں جزئیات قرآن کی روشنی میں طے ہوں گی۔

نقد و نظر

رسولؐ - میدانِ جنگ میں

مصنف: سید واجد علی رضوی صاحب، پبلشر: پنجاب بک ڈپو۔ لاہور، (دوسرا ایڈیشن)، کاغذ سفید، طباعت کتابت خوشگوار، ضخامت: ۳۱۲ صفحات۔ قیمت مجلد: دس روپے۔

رضوی صاحب نے اس تصنیف میں، پہلے دنیا کے مذاہب میں جنگ کی کیفیت سے بحث کی ہے اور اس میں، زمانہ قبل از اسلام میں، خود عربوں کے ہاں کا جنگ کا نقطۂ نگاہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلامی تعلیم کی روشنی میں جنگ کا جائزہ لیا ہے اور پھر حضور نبی اکرمؐ کے غزوات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اور یہی حصہ کتاب کا مرکزی مقام ہے۔

ہمارے ہاں غزواتِ رسول اللہؐ سے متعلق جو کچھ قدامت پرستانہ انداز میں لکھا یا کہا جاتا ہے اس میں نمایاں پہلو یہ ہوتا ہے کہ ان لڑائیوں میں فوق الفطرت قوتیں امداد کے لئے کارفرما ہوتی تھیں اور یہی ان جنگوں میں کامیابی کا راز تھا۔ اس عقیدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لئے اسوہ (ماڈل) نہیں بن سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ قرنِ اول کے مسلمانوں نے چند دنوں میں یہ کچھ کر کے دکھا دیا تھا، اور آج ہم سے کچھ بھی نہیں بن پڑتا تو اس کا یہ جواب دے دیا جاتا ہے کہ صاحب! ہم ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ انہیں تو فوق الفطرت قوتوں کی تائید حاصل تھی۔ اب وہ کچھ کر دکھانا ممکن نہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں، یہ بتایا گیا ہے کہ ان غزوات میں کامیابی کا راز حضورؐ کی عسکری صلاحیت، سپہ سالارانہ دور نگہی، حسنِ تدبیر، بلند حوصلگی، استقامت، کم از کم ساز و سامان اور قلتِ تعداد سے بہترین نتائج حاصل کرنے کا ملکہ اور مستقل اقدار کی پابندی تھا، اور اس میں ہمارے لئے سبق آموزی کے ہزار سامان موجود ہیں۔ اس اعتبار سے رضوی صاحب کی یہ کوشش مستحق حوصلہ افزائی ہے۔

اس سلسلہ میں البتہ، اسیرانِ جنگ کے متعلق جو کچھ رضوی صاحب نے لکھا ہے، وہ صحیح نہیں۔ وہ بھی عام قدامت پرستانہ نظریہ کے اتباع میں، یہی سمجھتے ہیں کہ اسلام نے اسیرانِ جنگ کے مَردوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانے کی اجازت دی تھی، البتہ ان سے حسنِ سلوک کی تاکید کی تھی۔ قرآن کی روشنی میں یہ خیال درست نہیں۔ قرآن کا واضح فیصلہ ہے کہ اسیرانِ جنگ کو رہا کرنا ہوگا — خواہ فدیۃً اور خواہ احساناً (۴۷/۴)۔ (اس سلسلہ میں ہم نے اسی اشاعت میں، حقائق وعبر کے تحت جو کچھ لکھا ہے اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے۔)

بہر حال بہ حیثیت مجموعی، رضوی صاحب کی یہ کوشش مستحسن ہے۔

لغات القرآن کیا ہے؟

لغات القرآن کا نام سامنے آنے سے ذہن میں کچھ اس قسم کا خیال آتا ہے کہ یہ قرآنی الفاظ کی ڈکشنری ہے جس میں اس طرح معنی دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

حمد ——————— تعریف

لغات القرآن اس طرح کی ڈکشنری نہیں۔ اس میں قرآنی الفاظ کے معنی ہی نہیں دیئے گئے بلکہ وہ تصورات (CONCEPTS) دیئے گئے ہیں جو ان الفاظ کے ذریعے قرآن پیش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ (مثلاً) اسی لفظ (حمد) کی تشریح قریب اڑھائی صفحات میں دی گئی ہے۔ (ربّ) کے لفظ کی تشریح تین صفحات سے زاید میں آئی ہے۔ (اللہ) کی وضاحت دو صفحات میں ہے۔ لفظ (حرام) کی تشریح ساڑھے تیرہ صفحات ہیں، اور (صلوٰۃ) بارہ صفحات میں۔ وغیرہ وغیرہ!

اس کا نتیجہ ہے کہ جن حضرات نے اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اس کے مؤلف (پرویز صاحب) کی علمی وسعت اور برسہا برس کی محنت شاقہ پر محوِ حیرت رہ جاتے ہیں۔ اور ان کی رائے یہ ہے کہ اگر اس لغات کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے تو کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اربابِ فکر و نظر اسے مشکل الفاظ کے معانی دیکھنے کے لئے، ڈکشنری کی طرح (CONSULT) نہیں کرتے، اس کا تفسیر کی طرح مطالعہ کرتے ہیں۔ اس وضاحت کا نتیجہ ہے کہ یہ لغت، ٹائپ کی نہایت خوبصورت طباعت میں چار ضخیم جلدوں (کے قریب ساڑھے اٹھارہ سو صفحات) پر پھیلی ہوئی ہے۔

پہلی تین جلدوں کی قیمت، پندرہ ۱۵/- روپے فی جلد۔ اور چوتھی جلد کی قیمت بارہ ۱۲/- روپے ہے۔

مکمل سیٹ ۵۷/- روپے کے بجائے ۵۰/- روپے میں دے دیا جاتا ہے۔

اگر آپ قرآن کریم کو صحیح معنوں میں سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اس لغات سے بہتر کوئی اور معاون آپ کو نہیں ملیگا۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

انسانی مسائل کے حل میں

عقلِ انسانی آج تک کن کن ارتقائی مراحل سے گزری اور اس نے کہاں کہاں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائیں۔

تاریخِ انسانی کی یہ عبرت آموز تفصیل آپ کو صرف پرویز صاحب کی مشہور کتاب

انسان نے کیا سوچا

میں ملیگی ہزاروں کتابوں کا نچوڑ۔ افلاطونِ اعظم سے لیکر آج تک گزشتہ اڑھائی ہزار سال میں دنیا کے چوٹی کے مفکرین، مؤرخین اور علمائے اخلاقیات و عمرانیات اور ماہرینِ معاشیات و سیاسیات نے کیا سوچا؟ اسے پڑھیئے، اور سوچیئے کہ وحی کی روشنی سے روگرداں اور محروم ہو کر نوعِ انسانی نے اپنے لئے کیا جہنم خرید لیا۔

قیمت : بارہ روپے ۱۲/-

ملنے کا پتہ:

ناظم۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی گلبرگ ۲۔ لاہور

شکوک ــــ شبہات ــــ اعتراضات

• پیدا ہوتے ہیں ــ کس کے دل میں؟ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں۔ • ان کا جواب آپ کے پاس کیا ہوتا ہے؟ ــ ماتھے کی شکن، گھُرکی، لاحول۔ • کیا اس سے اُنکے وہ شکوک رفع ہو جاتے ہیں؟......

اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ یہ شکوک رفع ہوتے ہیں دلائل و براہین سے، علم اور بصیرت سے بشرطیکہ سمجھانے کا طریق بھی دل نشیں اور جاذبِ توجہ ہو۔ اگر آپ فی الواقعہ کسی نوجوان کے دل سے شکوک اور شبہات کی پھانسیں نکالنا چاہتے ہیں تو ــ اسے

سلیم کے نام خطوط

پڑھنے کو دیجئے! پھر دیکھیئے کہ اس میں کیا انقلاب آتا ہے

قیمت: جلد اوّل - آٹھ روپے، جلد دوم - چھ روپے، جلد سوم - چھ روپے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور

اِن میں سے آپ کو کونسی کتاب درکار ہے؟

رسول میدانِ جنگ میں	سید احمد رضوی وکیل	۱۰/۰۰
محمد سرورِ دو عالم	رشید اختر ندوی	۲۵/۰۰
امام اعظمؒ	علامہ شبلی نعمانی	۷/۵۰
قرآن اور اقبالؒ	ابو محمد صالح	۳/۰۰
دُرِ یتیم	احسان بی۔ اے	۴/۵۰
مسلمان سسلی میں	نصیر احمد جامعی	۵/۰۰
تاریک سویرا	حکیم احمد شجاع پاشا	۴/۵۰
سیرۃ بایزیدؒ	علامہ فضل احمد	۲/۵۰
جینے کی اہمیت	لن۔ یو۔ تانگ	۱۵/۰۰
غبارِ خاطر	ابوالکلام آزاد	۹/۰۰
تذکرہ	ابوالکلام آزاد	۸/۰۰
میٹھے بول میں جادو ہے	ڈیل کارنیگی	۸/۰۰
پریشان ہونا چھوڑیئے	ڈیل کارنیگی	۸/۰۰
جنس کا نفسیاتی پہلو	کینیتھ واکر	۵/۰۰
ابوبکرؓ	محمد حسین ہیکل	۱۲/۰۰
دس بڑے مسلمان	اسمٰعیل پانی پتی	۸/۰۰
۲۹ بڑے آدمی	ڈیل کارنیگی	۸/۰۰
تعلیماتِ موزے تنگ	موزے تنگ	۴/۰۰
سی آئی اے کے کارنامے	ڈیوڈ وائز	۸/۰۰
زادِ راہ	منشی پریم چند	۵/۰۰

الکمال	خورشید حسین بخاری	۵/۰۰
معلومات کا انسائیکلوپیڈیا	علی ناصر زیدی	۸/۰۰
شکستہ آئینے	احمد سعید	۱۰/۰۰
عمر فاروقؓ	محمد حسین ہیکل	۲۲/۵۰
الزہراؓ	عمر ابوالنصر	۳/۰۰
معراج المومنین	محمد حلیم	۴/۵۰
اُم الکتاب	ابوالکلام آزاد	۴/۵۰
کوثر کشیدہ کاری	محمد حلیم	۴/۵۰
ہمارے اسلاف	بشیر احمد صمصام	۴/۰۰
الفاروقؓ	شبلی نعمانی	۴/۰۰
الغزالیؒ	شبلی نعمانی	۳/۵۰
مسلمان عورت	ابوالکلام آزاد	۲/۵۰
مسئلہ خلافت	ابوالکلام آزاد	۳/۰۰
حبیبِ خدا	مولانا اشرف علی تھانوی	۴/۵۰
مسدسِ حالی	مولانا الطاف حسین حالی	۲/۵۰
حکایاتِ سعدی	طالب ہاشمی	۲/۰۰
امیر معاویہؓ	انیس ذکریا	۲/۲۵
الحسینؓ	عمر ابوالنصر	۳/۵۰
حیاتِ قائدِ اعظمؒ	چوہدری سردار محمد خان	۱۵/۰۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ دین و دانش۔ چوک اردو بازار۔ لاہور

خدا اور سرمایہ

ایک بصیرت افروز اور معلومات افزا پیش کش

- کیا اسلام مغرب کے معاشی نظام کا حامی ہے ——— ؟
- کیا اسلام، اشتراکی نظام کا حامی ہے ——— ؟
- کیا اسلام کا کوئی اپنا معاشی نظام ہے ——— ؟
- اس نظام کی تفاصیل کیا ہیں ——— ؟
- وہ کس طرح دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہے ——— ؟
- کیا وہ نظام، نوع انسان کے معاشی مسئلہ کا اطمینان بخش حل پیش کر سکتا ہے ——— ؟
- اس نظام کی مخالفت کس طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور کیوں ؟

یہ، اور اسی قسم کے دیگر معاشی مسائل کا تجزیہ، تبصرہ اور حل۔ عصر حاضر کے پریشان انسان کے لئے شارعِ امید۔ اہل پاکستان کیلئے قندیلِ راہ۔

قسم اعلیٰ — سفید پرنٹنگ پیپر۔ نہایت روشن طباعت۔ مضبوط جلد۔ حسین گردپوش۔

قیمت — نو روپے

سستا ایڈیشن — نیوز پرنٹ۔ بکس بورڈ کور — قیمت — پانچ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

علماء کی مطبوعات و دیگر نامور مصنفین کی

مکتبہ دین و دانش

اردو بازار لاہور